حضرت عباسؑ کے معجزات
یا ابوالفضل عباسؑ
مرتبہ: محمد وصی خان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یا صاحب العصر الزمان ادرکنی

عباسِؑ نامور کے لہو سے دھلا ہوا
اب بھی حسینیتؑ کا علم ہے کھلا ہوا
(جوشؔ)

مؤلف
محمد وصی خاں

ناشر:۔ احمد بکڈپو امام بارگاہ شاہ کربلا رضویہ سوسائٹی۔ کراچی ۱۸

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اک مشک کا فیض اللہ اکبر منظر
ہے چار طرف رکھی سبیلِ عباسؑ

نام کتاب :- حضرت عباس علمدارؑ کے معجزات

مؤلفہ :- محمد وصی خاں

طباعت :- مشہور آفسٹ پریس۔ کراچی

سن طباعت :- ۱۹۸۳ء - تعداد ۱۱۰۰ سو

قیمت :- ۱۰ دس روپیہ

پیشکش :- سید غفور حسینؑ نقوی۔

امام بارگاہ ام البنینؑ حسنؑ کالونی کراچی

کتاب ملنے کا پتہ

۱۔ احمد بکڈپو امام بارگاہ رضویہ سوسائٹی کراچی ۱۸

۲۔ رحمت اللہ بکڈپو مقابل خوجہ مسجد بمبئی بازار۔ کراچی

۳۔ محفل حیدری ناظم آباد نمبر ۳ کراچی — ۱۸

۴۔ الحسن بک سینٹر خمینی روڈ جعفر طیار سوسائٹی ملیر کراچی

نوٹ

محمد وصی خاں کی تحریر کردہ تمام کتب مندرجہ بالا پتہ پر حاصل کی جاسکتی ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حضرتِ عباسؑ کی ہیبت کا عالم دیکھکر　　آئیں جب فوجیں مقابل میں ہراساں ہوگئیں
(ماتھر لکھنوی)

بفضلِ الٰہی و بہ تصدق محمدؐ و آلِ محمدؐ

پینتیسویں ۳۵ کتاب
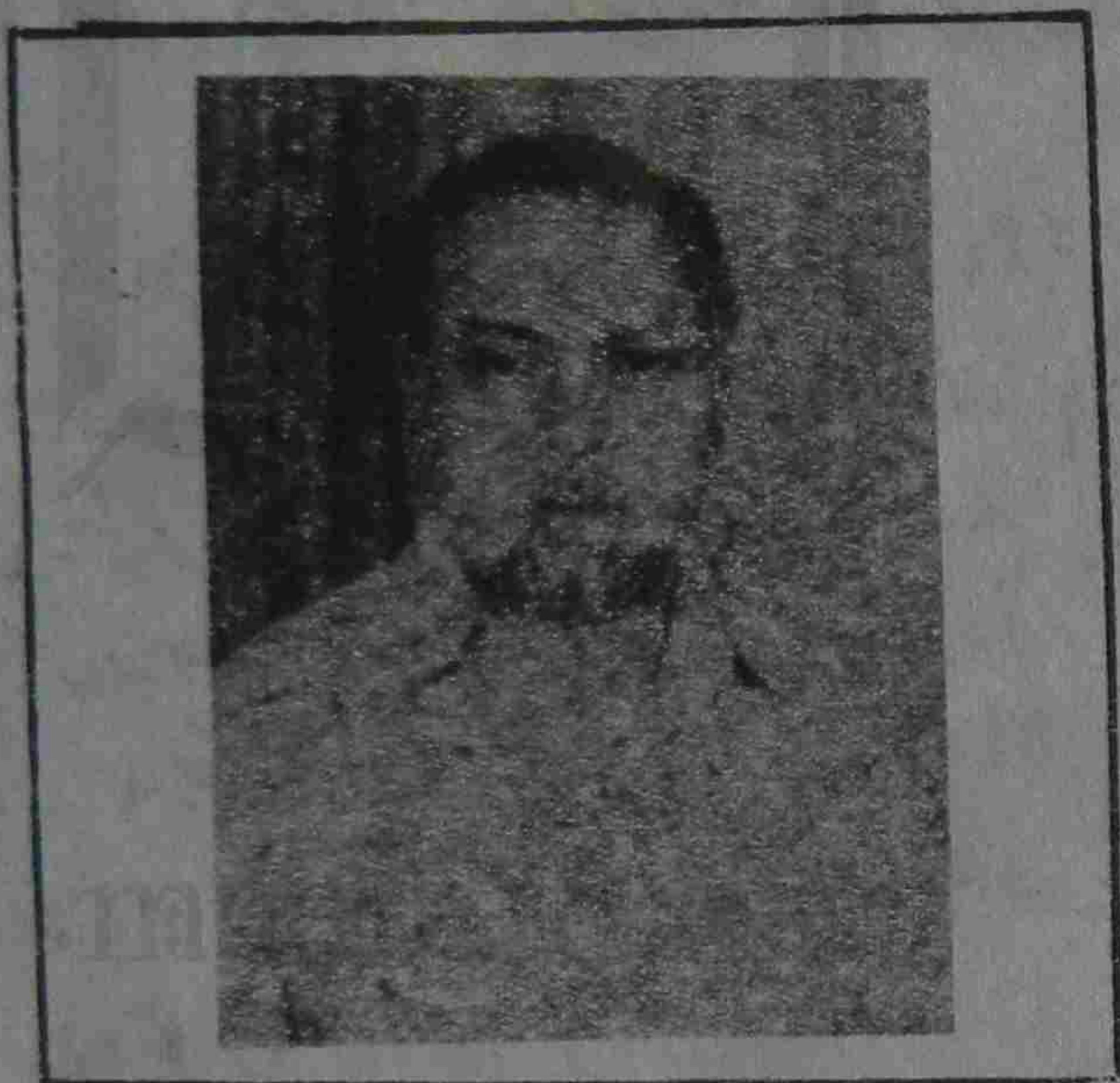
موءلفہ
محمد وصی خاں

جو کچھ ہوا، ہوا کرم سے تیرے
جو کچھ ہوگا، تیرے کرم سے ہوگا

ہماری رہبر کتابیں

عرقِ شرم میں کیونکر نہ رہے تر پانی
پھینکا عباسؑ نے چلّو میں اُٹھا کر پانی
(دانغ دہلوی)

۱۔ العبد الصالح (سوانح حیات حضرت عباسؑ دلاور)
از زبدۃ العلماء سید آغا مہدی صاحب لکھنوی۔
ناشر جمعیت خدام عزا ۱۰/۱۴۲ رحیم آباد۔ کراچی
۲۔ عباسؑ ابن علیؑ ایک مثالی کردار۔ از سید زین العابدین سی ون۔ سی/۱۷ لیاقت آباد کراچی
۳۔ علیؑ علیؑ حصہ دوم مرتبہ محمد وصی خاں ناشر محفل حیدری ناظم آباد۔ کراچی۔
۴۔ ۱۴ معصومین کے معجزات مرتبہ محمد وصی خاں ناشر امام بارگاہ ام البنین کراچی
۵۔ حسینؑ حسینؑ مرتبہ محمد وصی خاں ناشر محفل حیدری ناظم آباد۔ کراچی۔
۶۔ ذکر العباس از مولانا سید نجم الحسن کراروی (مرحوم) ناشر امامیہ بکڈپو لاہور
۷۔ اخبار روزنامہ جنگ کالم نگار، رئیس امروہوی
۸) اخبار نظارہ ابوالفضل العباس نمبر لکھنؤ مورخہ ۳ اگست ۱۹۵۳ء جلد ۳۴ نمبر ۲۱ صفحہ ۲۵ کالم ۲
۹۔ زائر حسینؑ کا روزنامچہ از مولانا علی اختر صاحب طبع کراچی
۱۰۔ کتاب زندگی شہادت ابوالفضل (فارسی) صفحہ ۵۳ طبع ایران
۱۱۔ تاریخ ظلم گنج شہیداں از فیض بھرت پوری۔
۱۲۔ ہفت روزہ رضاکار۔

سرزمین سندھ

جہاں

حضرت ابوالفضل العباس علیہ السلام

کا علم ہر امام بارگاہ سے باہر بیکسوں کی دادرسی کے لیے نصب رہتا ہے
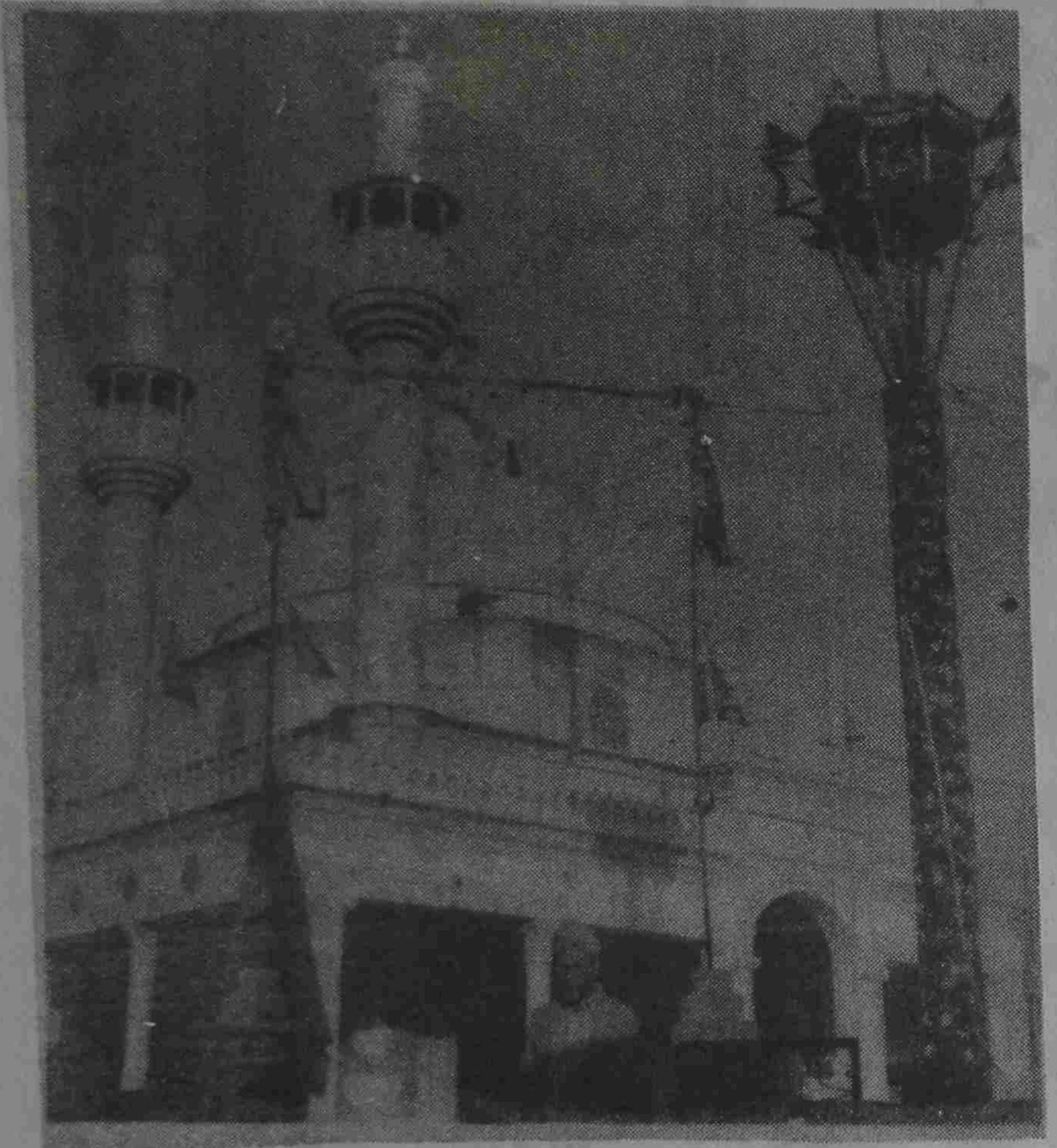
بسم اللہ الرحمن الرحیم

سوانح حضرت عباسؑ پر ایک نظر

آپ کا نام ...... عباسؑ
باپ کا نام ...... حضرت علیؑ
ماں کا نام ...... فاطمہ کلابیہؑ
ماں کی کنیت ...... ام البنینؑ
دادا کا نام ...... حضرت ابوطالبؑ
دادی کا نام ...... فاطمہ بنت اسد
نانا کا نام ...... جزم بن خالد
نانی کا نام ...... لیلیٰ بنت شہید
زوجہ کا نام ...... لبابہؓ
بھائیوں کے نام ...... عبداللہؓ
جعفرؓ۔ عثمانؓ
لڑکوں کے نام ... فضل، محمد،
قاسم، عبیداللہ
تاریخ ولادت ...... ۴ شعبان
سن ولادت ...... ۲۶ھ ہجری
یوم سہ شنبہ (منگل)
مقام ولادت ... مدینہ منورہ
کنیت ... ابوالفضل۔ ابوالقاسم

کنیت ..... ابوقربہ
لقب۔ سقائے سکینہؑ۔ افضل الشہداء
علمدار۔ العبد الصالح
عمر شریف ..... ۳۴ سال چند ماہ
سن شہادت .. ۱۰ محرم سنہ ۶۱ھ ہجری
یوم شہادت ... جمعۃ الحرام
وقت شہادت ..... بعد ظہر
سبب شہادت .. حمایت اسلام
و طلب آب برائے
خانوادہ آلِ محمدؐ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

یا صاحب العصر الزماں ادرکنی

گود میں فاطمہؑ کی بخشش امت کے لئے
لاش اصغرؑ کی ہے عباسؑ علمدار کے ہاتھ
(آغا سروش لکھنوی)

فہرست مضامین

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر
۱	اظہار تشکر	۱۱
۲	اجمالی تعارف از علامہ سید ذکی الاجتہادی الرتنشی	۱۲
۳	اصلی اور نقلی سید کی پہچان معجزہ نمبر ۱	۱۴
۴	افریقہ کے خوجہ کا بٹوہ مل گیا۔ معجزہ نمبر ۲	۱۵
۵	حضرت عباسؑ کے نام سے منسوب دو خیر و برکت کے لئے کامیاب عمل	۱۸
۶	مقدمہ از قلم استاد محترم علامہ علی حسنین شگفتہ	۲۰
۷	تقریظ از علامہ عون محمد نجفی۔	۲۵
۸	عباسؑ ابن علیؑ ایک مثالی کردار	۲۸
۹	بر موقع معجزہ (احمدی)	۲۷
۱۰	شاعر اہلبیتؑ جناب قیصر بارہوی کا کھویا ہوا البتہ مل گیا	۶۸
۱۱	پاکستانی صحافی نے حضرت عباسؑ کی زیارت کی۔	۷۰
۱۲	ذاکر حسینؑ کی عظمت حضرت عباسؑ کی نگاہ میں۔	۷۳

نمبر	عنوان	صفحہ
۱۳	حضرت عباسؑ کی ایک اہم مصیبت	۷۲
۱۴	بجلی کے کرنٹ سے مرجانے والا بچہ زندہ ہوگیا۔	۷۷
۱۵	شاہِ ایران موت کے منہ سے بچ گیا	۸۴
۱۶	نمک صحرا کی ریت میں تبدیل ہوگیا	۸۵
۱۷	جھوٹی قسم کھانے والے کو فوراً سزا مل گئی	۸۵
۱۸	علم مبارک حضرت عباسؑ کا معجزہ	۸۶
۱۹	ترکی فوج کے سپاہی کو اسکی گستاخی کی سزا فوراً ملی	۸۰
۲۰	حملہ آوروں نے کہا بلاؤ اپنے عباسؑ کو۔	۹۱
۲۱	(کراری ہندوستان کا بلوہ)	
۲۲	سونے کا طوق خود بخود گلے سے نکل کر چھت سے لگ گیا	۹۹
۲۳	لڑکے کے کٹے ہوئے بازوؤں کو جوڑ دیا	۱۰۰
۲۴	اسحاق بن حویہ کا عبرتناک حشر	۱۰۲
۲۵	ماں کی پاکدامنی پر پیٹ کے بچہ کی گواہی	۱۰۷
۲۶	روضۂ عباسؑ جہاں بیمار شفایاب ہوتے ہیں۔	۱۰۸
۲۷	حضرت عباسؑ کی حاضری کی کرامت	۱۰۹
۲۸	لکھنؤ، یوپی (انڈیا) میں درگاہ حضرت عباسؑ کی معجزاتی تعمیر۔	۱۱۰
۲۹	علم حضرت عباسؑ کے پنجہ پر "محمدؐ" خود بخود تحریر ہوگیا۔	۱۱۳
۳۰	روضہ حضرت عباسؑ پر خود بخود پستول چل گئی	۱۱۴
۳۱	جھوٹے کو فوراً سزا ملی	۱۱۶
۳۲	روضہ عباسؑ پر لٹکی ہوئی تلوار ایک سید زادے کے پاس خود آکر گری	۱۱۷
۳۳	آخری مغل بادشاہ بہادر شاہ ظفر نے لکھنؤ میں حضرت عباسؑ کی درگاہ پر منتی علم چڑھوایا۔	۱۱۸

نمبر	عنوان	صفحہ
۳۴	حضرت عباسؑ نے لڑکے کے کٹے ہوئے بازو جوڑنے کے بعد قید سے بھی رہائی دلادی۔	۱۲۱
۳۵	چلتی ریل گاڑی سے گرنے والا بچہ زندہ بچ گیا۔	۱۲۴
۳۶	حضرت عباسؑ نے ڈوبتے ہوئے جہاز کو بچالیا۔	۱۲۶
۳۷	ہندو بنیئے کی آنکھ ٹھیک ہوگئی	۱۲۷
۳۸	کانپور (یوپی) انڈیا میں واقع محلہ گوالٹولی کی کربلا کا ایک حیرت انگیز معجزہ	۱۲۸
۳۹	نیپال کی ترائی میں بنتؑ کے لال کا ماتم۔	۱۳۰
۴۰	حضرت عباسؑ کے علم کا پٹکا بیمار کے جسم سے لگا اور وہ بحر غش میں آگیا	۱۳۴
۴۱	ان کا تذکرہ بھی ضروری ہے۔ معجزہ پر معجزہ۔	۱۳۶
۴۲	بڑے امام باڑے کھارادر میں منبر رسولؐ کے پاس نصب علم حضرت عباسؑ سے پانی کی بوندیں ٹپکتی رہیں۔	۱۴۰
۴۳	مہاراجہ گوالیار کی سواری، از زیر سایہ حضرت عباس علیہ السلام	۱۴۱
۴۴	حضرت علیؑ کے ہاتھوں ایک ہندی نژاد کی مشکل کشائی۔	۱۴۳
۴۵	علم مبارک حضرت عباس علیہ السلام پر شبیہیں نظر آنے لگیں۔	۱۴۸
۴۶		
۴۷		
۴۸		
۴۹		
۵۰		
۵۱		
۵۲		

یہ کتابیں ضرور پڑھیئے

معلومات میں اضافہ کے ساتھ ساتھ ایمان بھی تازہ ہوگا۔ پڑھنے کے بعد آپ دوسروں کو فخریہ پیش کریں گے۔

۱۔ حسینؑ حسینؑ جلد اول۔ دوم اور سوم۔ شخصیت امام حسین علیہ السلام پر بے مثل کتابیں۔ مجلس پڑھنے والی بہنوں کے لئے نایاب تحفہ۔ قیمت فی جلد بیس روپیہ

۲۔ تشکیل پاکستان میں شیعان علیؑ کا کردار" قیمت فی جلد ۲۵ روپیہ۔ شیعہ اکابرین ملت کے عظیم کارنامے۔ تاریخ ساز کتاب

۳۔ بیعت علیؑ" قیمت ۱۰ روپیہ کون کہتا ہے کہ حضرت علیؑ نے بیعت کی تھی۔ منہ توڑ جواب۔

۴۔ حضرت علیؑ کے معجزات۔ قیمت ۱۵ روپیہ ۱۱۰ نادر اور نایاب تاریخی اہمیت کے حامل معجزات جنکو بار بار پڑھنے کے بعد بھی جی نہیں بھرے گا۔

۵۔ نہج البلاغہ کی روشنی میں زندگی کا منظر قیمت دس روپیہ۔ مولائے کائنات کے ارشادات جو انمول موتی کی صورت میں ہیں۔ زندگی سنوارنے کے لئے کافی ہیں۔ فخریہ پیش کش۔

۶۔ اولیاء اللہ آستانہ مولا علیؑ پر قیمت ۲۰ روپیہ۔ امیر المومنین کی بارگاہ میں اولیاء اکرام کا نذرانہ عقیدت پہلی بار یکجا کیا گیا ہے۔

۷۔ امام خمینی کی واپسی۔ قیمت دس روپیہ
انقلاب ایران پر ایک کامیاب اور منفرد کتاب۔

۸۔ تاریخ سرِ حسینؑ قیمت ۵ روپیہ ایک دردناک داستان

اظہارِ تشکر

غازیؑ کے ارادے ہیں اٹل پھر نہیں ہے
عباسؑ کے آنے میں بس اب دیر نہیں ہے
ہیں شمشیر علیؑ سب پہ زبردست رہیں گے
عباسؑ کے تو نام میں بھی زیر نہیں ہے

(سید مختار عابد برستی)

جب کوئی کام کیا جاتا ہے تو ہمیں رہبر۔ رہنمائی اور مدد کی ضرورت درپیش ہوتی ہے۔ میں خداوند عالم کا لاکھ لاکھ شکر ادا کرتا ہوں کہ میرے ہر کام میں اہلبیتؑ کی مدد شامل رہتی ہے۔ اور مشکل سے مشکل کام آسان ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ میرے منہ پر ہر دم درود محمد و آل محمد علیہ السلام کا ورد رہتا ہے۔ اس طرح میں دو فائدے اُٹھا رہا ہوں۔ ایک ورد کے ذریعہ آل محمد علیہ السلام کا اظہار تشکر ادا کرتا ہوں، دوسرے اجر رسالتؐ۔ ساتھ ساتھ اگر میں اپنے ان کرمفرماؤں کا شکریہ ادا نہ کروں تو یہ بد دیانتی ہوگی۔ یہ صاحبان علم ہمیشہ اس کم علم کی علمی مدد فرماتے رہتے ہیں جیسے علامہ سرکار سید ذکی الاجتہادی صاحب قبلہ، علامہ طالب جوہری صاحب قبلہ، علامہ علی حسنین شیفتہ، علامہ رضی جعفر نقوی صاحب، علامہ راحت حسین ناصری صاحب، عالیجناب سید رضا رضوی صاحب، سید محمود الحسن رضوی صاحب، سید مشبر رضوی صاحب۔ حضرت سردار نقوی اور حضرت معجز جونپوری صاحب، کاتب معظم علی خانصاحب رام پوری۔ رضا انصاری۔ سید دبیر حسین رضوی۔ اور سید سجاد حیدر زمرا علی سعید بفضل خداوند کریم ان تمام حضرات کو آل محمد علیہ السلام کے صدقے میں عروج عطا ہو اور صحت کامل۔ آمین۔

☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اجمالی تعرف

از قلم معجز رقم

مانگا تھا اسے خدا سے نصرت کے لئے
حیدرؑ کی یہ مقبول دعا ہے عباسؑ
(حسن طباطبائی)

برجیسِ حشمت، کوکبِ تابندہ فصاحت
ماہ درخشندہ جبین بلاغت۔ نیرِ اعظم

سپہر خطابت، تاجدار زری وقار، اقلیم طلاقت، سلطان المتکلمین صدر العلماء والمجتہدین العادی والاعتمادی سرکار حجۃ الاسلام علامہ سید ذکی الاجتہادی الرشتی عامل فیضِ روحانی۔

محمد وصی خان صاحب تصانیفِ کثیرہ صدر تبلیغی ادارہ محفل حیدریؑ ناظم آباد کراچی اپنی مخلصانہ خدمت کی وجہ سے ملت جعفریہ کے افراد اور شیعان حیدر کرار کے درمیان کسی تعارف کے محتاج نہیں۔ آپ خالص دینی جذبے کے تحت جو کار ہائے نمایاں انجام دے رہے ہیں وہ لائق تحسین ہیں۔

محفل حیدریؑ کے زیر اہتمام آپ نے عرصے سے مذہبی نشریات کا سلسلہ قائم کر رکھا ہے جسکے تحت آپ ابتک تقریباً ۳۵ عدد سے زیادہ کتابیں فضائل آل محمد علیہ السلام کے سلسلہ میں ہدیۂ قارئین کر

چکے ہیں۔ جس میں ایک معرکتہ الآرا کتاب "تشکیلِ پاکستان میں شیعانِ علیؑ کا کردار" مرتب کر کے شیعہ قوم کا سر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے بلند کر دیا ہے اور قوم پر ایک عظیم احسان کیا ہے۔ کتاب تشکیل پاکستان میں شیعان علیؑ کا کردار" کے سلسلہ میں وصی خان کی جتنی بھی تعریف کی جائے کم ہے مذکورہ بالا کتاب کے سلسلہ میں قوم کے ہر فرد سے گزارش کروں گا کہ وہ اس کتاب کو سند کے طور پر اپنے گھروں کی زینت بنائیں۔ خود پڑھیں اور دوسرے حضرات کو پڑھائیں۔

زیر نظر کتاب حضرت ابو الفضل العباسؑ ابن امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کے فضائل و معجزات پر مشتمل ایک مبسوط مجموعہ ہے جس میں عہد قدیم سے لے کر عہد جدید تک کے واقعات حوالوں کے ساتھ درج ہیں اور جس کے مطالعے سے قاری حضرات عباس علمدار علیہ السلام کے اسی روحانی تصرف کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ جو فقط انبیاءؑ و اولیاء کا حصّہ ہے۔

میں نے اس کتاب کو اوّل سے آخر تک پڑھا اور اس نتیجہ پر پہنچا کہ مولف عالی قدر محمد وصی خان نے اس ایک مجموعہ میں حضرت عباس علیہ السلام کی معجزاتی زندگی کے اتنے مختلف اور گوناگوں نقوش جمع کرنے کی کوشش کی ہے جن کا احصار ایک کتاب میں بظاہر مشکل تھا لیکن مؤلف اس مشکل سے بخوبی عہدہ برآ ہوئے ہیں۔

حضرت عباس علیہ السلام مظہر العجائبؑ اور معجز نما کے بیٹے ہیں۔ انکی ذات سے معجزات کا ظہور ہونا کوئی اچنبھے کی بات نہیں ہے جہاں تک مجھ کو یاد پڑتا ہے میرے سامنے عراق میں امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کے اس فرزند کے روضۂ مبارک پر دو معجزے ظہور پذیر ہوئے

پہلا معجزہ میں نے ۹ سال کی عمر میں دیکھا اور دوسرا معجزہ دوران تعلیم۔

ان معجزات کو ہدیہ قارئین کر رہا ہوں تاکہ مومنین کے ایمان اور علم میں مزید اضافہ ہو جائے اور یہ معجزات کتاب کی زینت بھی بن جائیں تاکہ ہمیشہ کے لئے یادگار ہو جائیں۔

معجزہ ۱

اصلی اور نقلی سیّد کی پہچان

یہ واقعہ ۱۹۴۷ء کا ہے اس وقت میری عمر ۹ سال کی تھی اور میں اپنے والدین کے ہمراہ زیارت سید الشہداء کے لئے عراق آیا ہوا تھا۔ ایک دن حرم حضرت عباس علیہ السلام میں اپنے والدین کے ہمراہ موجود تھا کہ حرم میں ایک دم سے شور مچا ایک جگہ پر بہت سے لوگ جن میں حرم کے خدام بھی شامل تھے ایک عرب کو بری طرح مار رہے تھے مار کھانے والے شخص کے سر پر ہرا کپڑا بندھا ہوا تھا۔ یہ لوگ مارتے بھی جا رہے تھے اور اس ہرے کپڑے کو اس سے چھین بھی رہے تھے جس کو یہ شخص مضبوطی سے تھامے ہوئے تھا۔ آخر میں خادموں نے اس شخص سے ہرا کپڑا چھین لیا اور اس کو زبردست طریقہ سے دھکا دیکر الگ کر دیا۔ جسکی وجہ سے یہ شخص زمین پر گر گیا۔ بڑی بیتابی کے ساتھ زمین سے اٹھ کر یہ روضۂ حضرت عباس علیہ السلام کی طرف دوڑا اور حرم میں داخل ہوتے ہی اس نے مرقد اطہر کی جالی سے اپنے سر کو ٹکرا دیا اور زور زور سے روتے ہوئے بلند آواز میں عباسؑ عباسؑ کہتا اور اپنا سر برابر جالی سے مار رہا تھا اور کہہ رہا تھا اب میری بہت بے عزتی ہو چکی۔ آج آپ کو فیصلہ کرنا

ہو گا کہ میں سید زادہ ہوں یا نہیں نہیں تو میں اس وقت تک آپ کے مرقد کی جالیوں سے سر ٹکراتا رہوں گا جب تک آپ فیصلہ نہیں کر دیتے اس شخص کو زور سے یاد کرتے ہوئے کچھ ہی وقفہ گزرا ہو گا کہ اچانک حرم کے اندر ایک نظروں کو چکا چوند کر دینے والی روشنی پیدا ہوئی جس نے سب کو اچنبھے میں ڈال دیا ناگاہ ایک دم مرقد اطہر کی چھت سے ہرے کپڑے کا ایک ٹکڑا اس شخص کے سر پر گرا۔ حرم مبارک کے خدام اور دیگر حضرات اس عرب کی طرف دوڑے۔ کچھ معافی مانگنے لگے۔ اور بعض اس کے جسم کے کپڑے نوچنے لگے۔ جناب عباسؑ نے معجزاتی طریقے سے بتا دیا کہ یہ سید زادہ ہے۔ اس عرب نے خداموں کے ذریعہ اس ہرے کپڑے کو جو حضرت عباسؑ کی طرف سے عطیہ ہوا تھا تمام حضرات میں تقسیم کر دیا۔ ایک چھوٹا ٹکڑا میری والدہ کو بھی ملا جو اب تک میراث کے طور پر میرے پاس موجود ہے۔

افریقہ کے خوجہ کا کھویا ہوا بٹوہ مل گیا

معجزہ ۲:۔ یہ واقعہ ۱۹۵۲ء کا ہے جب میں نجف اشرف سے فارغ التحصیل ہو کر وطن عزیز واپس آنے کی تیاری کر رہا تھا۔ انہی دنوں افریقہ سے ایک خوجہ اپنے اہل خانہ کے ساتھ زیارت سید الشہداء کو آیا ہوا تھا۔ ایک دن وہ اکیلا حرم مبارک حضرت عباس علیہ السلام میں تھا کہ کسی نے اس کا بٹوا چوری کر لیا۔ وہ اپنے اس بٹوے کی تلاش میں ادھر ادھر دیکھ رہا تھا کہ اسکی نگاہ ایک جانب فرش پر گئی وہ اس طرف گیا اور جھک کر بٹوہ اٹھانے لگا اسی دم ایک عرب وہاں آیا اور اس نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ یہ تم کیا کرتے ہو۔ یہ بٹوہ میرا ہے۔ دونوں میں تکرار بڑھ گئی

لوگ جمع ہو گئے۔ اس پر لوگوں نے کہا جھگڑے کو ختم کرو اور تم دونوں الگ الگ بتاؤ اس بٹوے میں کیا ہے۔ خوجہ نے کہا اس میں بنک کا ڈرافٹ پونڈ عراقی کرنسی وغیرہ ہیں۔ عرب نے کہا اس بٹوے میں میرا فوٹو اور چند دینار ہیں۔ لوگوں نے جب بٹوے کو دیکھا تو اس کے اندر عرب کا فوٹو اور دینار کے علاوہ کچھ نہ تھا۔ اس پر سب نے مل کر خوجہ کو خوب مارا اور بے عزت کر کے حرم سے نکال دیا۔

یہ خوجہ زخمی حالت میں روتا ہوا نجف اشرف کی طرف پیدل روانہ ہو گیا۔ راہ میں روتا جاتا تھا اور حضرت علی علیہ السلام کا نام لے کر کہتا جاتا تھا کہ مولا آپ کے بیٹے کے روضہ پر زیارت کرنے گیا تھا۔ خود میرا بٹوا چوری ہوا اور مجھ کو چور بنا کر بے عزتی کے ساتھ حرم سے نکال دیا گیا مولا اب میں بچوں کو کیا کھلاؤں گا۔ کس طرح وطن واپس جاؤں گا مولا حضرت عباسؑ دیکھا کیے۔ ان کے حرم میں میری بے عزتی ہوتی رہی۔ وہ زور زور سے فریاد کرتا ہوا نجف اشرف کی طرف جا رہا تھا اس کا گزر نہر حسینیؑ کے پاس سے ہوا تو کیا دیکھتا ہے کہ ایک گھوڑا سوار نجف کی طرف سے آ رہا ہے اور وہ قریب آ کر رک گیا۔ اور اس سوار نے خوجہ سے دریافت کیا بھائی تم کو کیا پریشانی ہے اور زخمی حالت میں پیدل کہاں جا رہے ہو؟ بھائی نجف اشرف جا رہا ہوں اپنے مولا کی خدمت میں فریاد کرنے اور حضرت عباس علیہ السلام کی شکایت کرنے کہ ان کے روضۂ مبارک پر میری بے عزتی ہوئی ہے۔ سوار نے کہا بھائی تم میری جیب سے بٹوہ لے لو۔ بہ میل زخمی حالت میں کس طرح جاؤ گے۔ خوجہ نے کہا نہیں بھائی صرف اٹھانے پر اتنی مار پڑی ہے اگر جیب سے نکال لوں گا تو کیا حشر کرو گے۔ اور اب تو پولیس سے پکڑوا دو گے۔

نہیں بھائی تم اپنا راستہ لو مجھکو تنخف جانے دو۔ نہیں نہیں میں کچھ نہیں
کہوں گا تم بٹوا لے لو۔ اس دفعہ سوار نے بڑی عاجزی سے کہا اب اس
خوجہ نے کہا اگر واقعی تم کو بٹوا دینا ہے تو اپنے ہاتھ سے دے دو۔
اس پر سوار نے بیکسی کے عالم میں بڑی مایوسی کے
ساتھ کہا بھائی میرے ہاتھ تو کربلا میں شہید ہو گئے
اب ہاتھ کہاں۔ یہ کہہ کر سوار نظروں سے غائب ہو گیا۔ بٹوا نیچے زمین
پر پڑا ہوا تھا جسکو میں نے جھک کر اٹھا لیا۔ دیکھا تو یہ واقعی میرا بٹوہ
تھا اور میری ساری چیزیں اس میں اسی طرح موجود تھیں۔ یہ اسی
حالت میں دوڑتا ہوا حرم حضرت عباس علیہ السلام میں واپس آیا
اور زور زور سے بلند آواز میں کہہ رہا تھا۔ لوگو میرا بٹوا مجھ کو مل گیا۔
مشکل کشائی کے تحت جگر حضرت عباس علیہ السلام نے میرا بٹوا مجھ کو
واپس دے دیا۔ اس کے بعد اس خوجہ نے چودھری اسحاق کے
مسافر خانہ میں ایک شاندار مجلس حسینؑ کا اہتمام کیا اور مجھکو اس
مجلس سے خطاب کرنے کے لئے کہا۔ مجلس بڑی شاندار ہوئی جس میں
کافی لوگوں نے شرکت کی۔

حضرت عباس علیہ السلام کی معجزہ نمائی پر پریشان ہونے کی
ضرورت نہیں یہ مظہر العجائب اور معجز نما کے بیٹے ہیں جن کے باپ کے
تصرف میں کل کائنات ہے اسی طرح اس کے بیٹے کے تصرف میں
بھی پروردگار عالم نے دنیا کی ہر چیز رکھدی ہے۔

بارگاہِ معبود میں دست بہ دعا ہوں کہ وہ فاضل مؤلف جناب
محمود وصی خاں کی اس عظیم قلمی کاوش کو قبول فرمائے اور انھیں دین
و مذہب کی خدمت کی زیادہ سے زیادہ توفیق مرحمت فرماتا رہے

امید کرتا ہوں کہ ملت کے باذوق حضرات اس کتاب سے زیادہ سے زیادہ استفادہ کریں گے اور خصوصاً نسل نو کے افکار و نظریات کو اس کتاب کے ذریعہ مذہب اسلام کی جاودانی افادیت و ہمہ گیری کو سمجھنے میں بہت مدد ملے گی۔ اسی طرح منکر معجزات اور کرامات کے لئے یہ ایک کھلی ہوئی کتاب ہے وہ اس کو پڑھنے کے بعد اسلام کی ان عظیم ہستیوں پر ایمان لے آئیں گے اور یہی اس کتاب کی اشاعت کا ایک اہم ترین مقصد ہے۔

چند وظائف منسوب بنام جناب حضرت عباسؑ

۱۔ اگر آپ لوگوں کو پریشانی لاحق ہو تو ایک نشست میں ۱۳۳ مرتبہ اس دعا کی تلاوت کیجئے پھر آپ اس عمل کا معجزہ دیکھئے۔

دُعا:۔ یا کاشف الکرب عن وجہ الحسین اکشف کربی بحق اخ الحسین :۔

مطلب :۔ اے امام حسین علیہ السلام کے چہرے سے سختی دور کرنے والے میرے کرب کو حسین علیہ السلام کے بھائی عباسؑ علیہ السلام کے حق کی قسم دور کر۔

وظیفہ کرنے والے حضرات کی خدمتِ اقدس میں یہ بیان کرتا چلوں کہ حضرت "عباسؑ" کے اعداد ۱۳۳ ہیں اور اس ہی طرح "باب حسینؑ" کے اعداد بھی ۱۳۳ ہیں۔

۲۔ اس ہی طرح رزق حلال میں خیر۔ ترقی اور برکت کے لئے بھی جناب عباس علیہ السلام کے نام نامی اسم گرامی سے ایک وظیفہ اور تحریر کئے دیتا ہوں جس کو ہر روز نماز کے بعد پچیس دفعہ پڑھ لیا کیجئے۔ انشاء اللہ کچھ ہی دنوں بعد معجزاتی طور پر آپ کو فائدہ ہوگا۔ وہ بیان نہیں کیا جا سکتا

عمل: عباسؑ اے شہید گروہ مخالفاں

دانم یقیں تو ئی پسر شاہِ انس و جاں

کُن منظلم روا تو بحق برادرست

اے سر جُدا ماریہ سقائے تشنگاں

۳:- آیۃ اللہ العظمیٰ آقائے سید مہدی بحر العلوم نے اپنی عملیات کی کتاب میں مندرجہ ذیل ایک عظیم وظیفہ تحریر کیا ہے۔ انکی روایت کے مطابق اس وظیفہ کو حضرت زعفر جنؑ پریشانی اور مصیبت کے ایام میں تلاوت فرماتے تھے۔ آپ بھی اس معجزاتی وظیفہ سے فائدہ اٹھائیے۔ اس وظیفہ کو ایکسو ۱۳۳ مرتبہ بعدنمازِ صبح پڑھنا چاہیئے۔

یا والینا یا ولی اللہ اغثنی

یا قرۃ عین اسد اللہ اغثنی

قد جئت الی بابک للہ اغثنی

ارحم لنبی لیا اللہ اغثنی

من کان سواک ملک الجنۃ الناس

لا والینا غیرک یا حضرت عباسؑ

آخر میں اس کتاب کی مقبولیت اور وصی خاں کی صحت درازی عمر اور زورِ قلم کے لئے دعاگو ہوں۔

خاکپائے اہلبیتؑ

۲ دسمبر ۱۹۸۲ء

سید محمد ذکی الاجتہادی

شریعت کدہ روحانی

۱۹۔ پی آئی بی کالونی۔ کراچی۔

مقدمہ

تحریر: اُستادِ محترم محقق عصر علامہ
علی حسنین شیفتہ تاج الافاضل

بعد حمد و درود و منقبت آل اطہارؑ گزارش یہ کہ پروردگار عالم نے انسانوں کی ہدایت کے لئے اپنے جن نمائندوں کو بھیجا ہے، انھیں اگرچہ لباس بشریت ہی میں اس دنیا میں خلق فرمایا" تاکہ انسان ان سے مانوس بھی ہوں اور نمائندگان خدا کی پاکیزہ سیرت اُن کے لئے نمونۂ عمل اور دستور حیات بھی ثابت ہو۔ لیکن

اللہ نے اپنے نمائندوں کو ضروری طور پر کچھ ایسی غیر معمولی قوتیں بھی عطا فرمائی ہیں جن سے اُن کی پہچان ہوتی ہے اور عام انسان ان قوتوں کے سامنے، چونکہ عاجز ہوتے ہیں لہٰذا اُن قوتوں کو معجزہ کہا جاتا ہے۔

یہ سُنّتِ الٰہیہ ہے کہ ہر زمانے کے انسانوں کی ہدایت کے لئے اور اُن پر اللہ کی حجت قائم کرنے کے لئے کوئی نہ کوئی من جانب اللہ ہادی اور حجتِ خدا موجود رہا ہے اور جب تک نوع بشر باقی ہے تب تک یہ سلسلۂ ہدایت و اتمام حجت بھی قائم رہے گا۔ کیونکہ اللہ کی سنت بدلتی نہیں۔ اور اس کے قانون میں ترمیم نہیں ہوتی حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت خاتم الانبیاؐ تک حسب ضرورت

نبیؐ و رسولؐ من جانب اللہ آتے رہے اور ایک کے بعد دوسرے کے ذریعہ انسانوں پر اللہ کی حجت قائم ہوتی رہی۔ یہانتک کہ جب نبوّت و رسالت کی ضرورت باقی نہیں رہی تو سیدالانبیاءؐ والمرسلین حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر سلسلۂ نبوتؐ و رسالت کو ہمیشہ کے لئے اللہ نے ختم کردیا۔ لیکن چونکہ آنحضرتؐ کے بعد بھی نوعِ بشر کو باقی رکھنا اللہ کو منظور تھا، اور بعد رسالت مآبؐ قیامت تک آنے والی نسلِ انسانی کے لئے من جانب اللہ ہدایت اور اتمام حجتِ خدا کی ضرورتیں باقی رہیں، لہٰذا اللہ نے اوصیاءِ رسولؐ و ائمہ معصومین کے ذریعہ سلسلۂ ہدایت و اتمام حجت کو قیامت تک کے لئے باقی رکھا اور بحمداللہ آج بھی ہمارے بارہویں امام معصومؑ اور آخری حجتِ خدا حضرت قائم آل محمد علیہ السلام کے وجودِ ذی جود سے من جانب اللہ ہدایت اور اتمام حجت جیسے انتہائی اہم تقاضے پورے ہو رہے ہیں۔

اس گفتگو سے معلوم ہوا کہ معجزہ بہرحال اللہ والوں کی پہچان ہے اور معجزہ اس غیر معمولی کام کو کہتے ہیں جو مادی اسباب کے بغیر نمائندہ خدا یعنی حجت اللہ سے ظاہر ہوتا ہے اور عام انسانوں میں سے سب کے سب اس کا مثل پیش کرنے سے عاجز ہوتے ہیں۔

یہاں اس امر کو بھی ذہن میں رکھیئے کہ معجزہ اور سحر یا جادو الگ الگ چیزیں ہیں۔ معجزہ حق اور دلیل حق ہے۔ جبکہ سحر یا جادو باطل اور کارِ باطل ہے۔ معجزہ واقعیت پر اثر انداز ہوتا ہے اور سحر یا جادو محض نگاہ کا دھوکہ ہوتا ہے۔ جادو کا واقعیت پر کوئی اثر نہیں ہوتا وہ محض وہم ہی وہم ہوتا ہے۔

اس کے بعد یہ بھی عرض کردوں کہ اصطلاحی طور پر لفظ معجزہ نبیؐ و امام

معصوم سے ظاہر ہونے والے امور کو معجزہ کہتے ہیں اور دیگر اولیاء اللہ و خاصانِ خدا سے ظاہر ہونے والے ایسے ہی امور کو کرامت کہتے ہیں۔

ہمارے آقا حضرت عباس علمدار علیہ السلام اگرچہ خود امام معصوم نہیں تھے لیکن خانوادۂ عصمت و طہارت میں پیدا ہوئے۔ معصومینؑ کی عنایات و سرپرستی میں نشوونما پائی اور محبت و اطاعتِ معصومینؑ سے طہارت نفس و عظمتِ کردار کے اُن اعلیٰ ترین مراتب پر فائز ہوئے جن پر فائز ہونے والا معصوم نہ ہوتے ہوئے بھی معصوم معلوم ہوتا ہے۔ وہ فرزند امیر المومنینؑ ہیں برادر امام حسنؑ و امام حسینؑ ہیں اور لشکر حسینیؑ کے علمدار ہیں وہ کربلا میں صرف علمدارِ لشکرِ سیدالشہداءؑ ہی نہیں تھے بلکہ وہ فرزندِ رسولؐ امام حسین علیہ السلام کے لئے قوتِ بازو بھی تھے اور جناب زینب سلام اللہ علیہا بنتِ امیر المومنینؑ سمیت تمام اہل بیت رسولؐ کے لئے ڈھارس اور سہارا بھی تھے۔

ہم سب کے آقا چھوٹے حضرت، بیکروفا جناب عباسؑ علیہ السلام کے مراتب عالیہ کا اندازہ لگانے کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ وہ ان شہدائے کربلا میں علمدار کی حیثیت رکھتے ہیں جن پر نو ائمۂ معصومین علیہم السلام سلام بھیجتے رہے، جن کی زیارت کا حکم وہ اہل ایمان و مودّت کو دیتے رہے اور جن کی زیارت میں یہ کلمہ بھی آیا ہے کہ "اے کربلا کے شہیدو، میرے ماں باپ تم پر فدا ہوں"۔

ظاہر ہے کہ علمدار حسینی جیسی عظیم المرتبت ہستی سے کراماتِ عظیمہ کا ظاہر ہونا کوئی غیر معمولی بات نہیں بلکہ یہ تو ان کے عند اللہ مراتب عالیہ و درجاتِ رفیعہ کا معمولی تقاضا ہے۔ کیونکہ ان کی کرامت سے نہ صرف یہ کہ اُن کے بھائی امام حسین علیہ السلام کی عظمت و حقانیت ظاہر ہوتی ہے بلکہ پورے خاندان رسالت و امامت کی عظمت و حقانیت کا ظہور ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ زائرین کرام کے مطابق روضہ

علمدار سے جتنی کرامات آئے دن ظاہر ہوتی رہتی ہیں اتنی خود سرکار سید الشہداء کے روضۂ مبارک سے ظاہر نہیں ہوتیں۔ در حقیقت یہ بھی سید الشہداء امام حسین علیہ السلام کی اپنے بھائی حضرت عباس علیہ السلام پر بے شمار عنایات میں سے ایک عنایتِ خاص ہے۔

خانوادۂ رسالتؐ و امامتؑ ایک معجزنما گھرانہ ہے۔ اس گھرانے سے توسل کے بغیر نہ کوئی ولی بن سکتا ہے نہ صاحبِ ایمان تمام کے تمام اولیاء اللہ اسی خانوادہ عصمت و طہارت کی غلامی کو اپنے لئے سرمایۂ ایمان و افتخار سمجھتے ہیں اور جب خاندانِ رسالتؐ کی غلامی پر فخر کرنے والے اولیاء اللہ سے کرامتیں ظاہر ہوتی رہتی ہیں تو فرزندِ علیؑ و برادر حسنین علیہم السلام حضرت عباسؑ علمبردارِ لشکرِ امام کی کرامات کا کیا کہنا۔ انھیں جہاں بھی یاد کیا جائے وہ اپنے چاہنے والوں کی فریاد رسی کو آتے ہیں۔

میرے عزیز و محترم جناب محمد وصی خاں صاحب لائق صد تحسین و آفرین ہیں کہ انھوں نے "معجزات حضرت عباس علیہ السلام" کے کچھ واقعات کو کتابی شکل میں اہل ایمان و مودّت کے لئے جمع کر دیا ہے۔ عام بول چال کی زبان میں کرامات کو بھی معجزات ہی کہتے ہیں۔ لہٰذا یہ کتاب اہل ایمان کے لئے ایک نعمتِ بیش بہا ہے جناب محمد وصی خاں صاحب نے اپنی پر جوش خدمات کے ذریعہ دینی ادب میں ایک مختصر سے عرصے میں اتنا اضافہ کیا ہے کہ حیرت ہوتی ہے۔ اب تک پچیس ۲۵ کتابیں ان کی تحقیق و تالیف سے طبع ہو کر منظر عام پر آچکی ہیں۔ اور اس سے زیادہ تحقیق و تالیف کی منزلوں سے گزر رہی ہیں۔ پروردگار عالم انکی توفیقات میں اضافہ فرمائے۔

انکی ایک تحقیقی کتاب "تشکیل پاکستان میں شیعان علی کا کردار" پر پوری قوم کی جانب سے دلی مبارک باد پیش کرتا ہوں اور انھیں دین حق کی قلمی خدمات

کے لیے زیادہ سے زیادہ صحت وحیات عطا فرمائے۔

بحق محمد و آل محمد علیہم الصلوٰۃ السلام

علی حسنینؑ شیفتہ تاج الافاضل

صبح یوم جمعہ ۱۷ ربیع الاوّل ۱۴۰۳ھ

مطابق ۷ جنوری ۱۹۸۳ء

بمقام حسن کالونی کراچی ۱۸

سرکار دو جہاں پہ نبوت تمام ہے

شیر خدا پہ شان شجاعت تمام ہے

شبیرؑ پر وقار شہادت تمام ہے

عباسؑ پر وفا کی حقیقت تمام ہے

بیعت وفا نے جس پہ کی وہ ان کا ہاتھ ہے

یہ ہیں وفا کے ساتھ وفا ان کے ساتھ ہے

(سردار نقوی)

تقریظ

از مولانا عون محمد نجفی صاحب قبلہ

امام جمعہ و جماعت مرکزی شیعہ جامع مسجد ہند مدظلہ۔

قابل ستائش ہیں وہ ذات جن کے لئے خلاق عالم نے اس کائنات کو خلق کیا اور اس پوری کائنات کو ان برگزیدہ ہستیوں کے تصرف میں دے دیا۔ اب ان کو دنیا تک کے لئے اختیار کل حاصل ہے جس طرح اور جیسے چاہیں اس کائنات پر حکومت کریں ان کا معمولی سا اشارہ چاند کے اگر دو ٹکڑے کر دیتا ہے تو اس میں تعجب نہ ہونا چاہیئے اگر سورج واپس ہو کر پھر سے طلوع ہو جاتا ہے تو یہ بھی ان کے حکم کے تابع ہے سورج اور چاند کا حکم ماننا انکی اطاعت اور فرمانبرداری میں شامل ہے۔ کیونکہ ان ہستیوں نے اپنے نفسوں کو خالق کائنات کے ہاتھوں فروخت کر دیا ہے اور مالک کائنات نے اس کائنات کی ہر چیز کو ان کے اختیار میں دے دیا۔ اس ہی وجہ سے دنیا کی ہر چیز پر ان کا اختیار ہے۔ اگر یہ لوگ اپنے اعجاز سے کچھ کر دیتے ہیں تو دنیا حیران ہو جاتی ہے۔ اور اس کو معجزہ کہہ بیٹھتی ہے۔

محمد وصی خاں صدر تنظیم عزا رجسٹرڈ نے اس کتاب سے پہلے کئی عدد کتابیں ہدیہ قارئین کی ہیں۔ مولائے کائنات امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کے معجزات پر بھی مشتمل ایک کتاب شائع کر چکے ہیں جس میں امیر المومنین کی ذات سے منسوب ایکسو دس حیرت انگیز واقعات ہیں۔ اب جناب نے مظہر العجائبؑ کے لخت جگر حضرت عباسؑ قمر بنی ہاشم۔ فخر عجم۔ زینت عرب حمزہؓ کا رعب شوکت جعفر طیار۔ علیؑ کی آن حسنؑ کی شان حسینؑ کی جان دفا کی عظمت کا نشان صف شکن۔ تیغ زن، شجاعت کے تاجدار، کرامت کے سردار، عبادت گزار، فرزند

صاحب ذوالفقار، برادرِ شہ ابرار۔ ام البنینؑ کے لال، حیدر کا جلال، زینبؑ کے بھائی حسینؑ کے شیدائی کے معجزات اور کرامات کو پہلی مرتبہ یکجا کر کے اردو زبان میں پیش کرنے کی سعادت حاصل ۔ یقیناً یہ ان کا ایک عظیم کارنامہ ہے اور اجرِ رسالت ادا کرنے کا ایک بہترین ذریعہ اس کتاب کو میں نے پڑھا پسند آئی۔ آپ لوگوں کو بھی پسند آئے گی۔ خداوند کریم محمد وصی خاں کے قلم میں مزید زور عطا کرے۔ ان کو صحت عطا ہو تاکہ یہ اسی طرح مزید دین کی خدمت کرتے رہیں۔

سید عون محمد نجفی

مرکزی شیعہ مسجد

ٹنڈو آدم سندھ

بارگاہِ امام زمانہ کے حضور میں

مشکل قدم قدم پہ ہے راہِ حیات میں
مشکل کا سامنا ہے یہاں بات بات میں
لیکن جو بات بات میں مشکل کو حل کرے
ایسا کوئی ضرور ہے اس کائنات میں
(سردار نقوی)

جناب عباسؑ علمدار

بر موقع معجزہ (احمدی)

تصنیف (پروفیسر کمال الدولہ)۔

۱۔ شاہ یہ کہتے تھے بہشتی مرے بھائی عباسؑ
کون ساعت تھی جو یہ مشک اٹھائی عباسؑ

معجزہ فیض قدم سے ہے تمہارے یہ ہوا
جان بلقیس کی خالق نے بچائی عباسؑ

میں تھی مصروف سجانے میں علم کے پٹکے
شمع نے چادر بلقیس جلائی عباسؑ

ایک شعلہ سا بھڑکتا تھا عزا خانہ میں
مجھ کو آنکھوں سے نہ دیتا تھا دکھائی عباسؑ

معجزہ یہ تھا کہ شعلوں کا اثر کچھ نہ ہوا
تعزیہ خانے پر کچھ آنچ نہ آئی عباسؑ

میں نے پہچان لیا جان لیا کون تھا وہ
وہ تمہیں تھے کہ جو یہ آگ بجھائی عباسؑ

لاکے تشریف مرے گھر میں نہ ٹھہرے حضرت
شکل زیبا نہ مجھے اپنی دکھائی عباسؑ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عباس ابن علی علیہ السلام

ایک مثالی کردار

مرنے جینے کا سبق سکھلا دیا عباسؑ نے

جن کے دم سے آج بھی معجزات ظاہر ہوتے ہیں

زینبؑ کا سہارا ہیں سکینہؑ کی مراد
شبیرؑ کی نبضوں کا لہو ہیں عباسؑ

ولادت باسعادت:- وہ دیکھیے عرب کا ریگستان ہے یہ آبادی جو نظر آرہی ہے مسلمانوں کی بستی مدینہ ہے۔ دو آدمی جو بیٹھے آپس میں کچھ باتیں کر رہے ہیں۔ آیئے سنیں کہ کیا گفتگو ہے ایک نے سکوت توڑتے ہوئے دوسرے سے کہا بھائی عقیلؑ میں چاہتا ہوں کہ عرب کے کسی شجاع قبیلے میں عقد کروں تاکہ اللہ تعالیٰ اس کے بطن سے مجھے ایک بہادر فرزند عطا کرے۔ بھیا عقیلؑ مجھ کو ایک خاص مقصد کے لئے ایک ایسے فرزند کی ضرورت ہے۔ عقیلؑ نے کہا بھائی علیؑ میں اہل عرب کے نسب سے خوب واقف ہوں اس وقت اس مقصد کے لئے قبیلہ بنی کلاب میں حزام بن خالد کی صاحبزادی فاطمہ میری نظر میں ہے۔ اگر آپ فرمائیں تو سلسلہ جنبانی کروں (اسرار شہادۃ آقا دربندی طبع ایران) اور پھر ایک روز وہی معظمہ ہاشمؑ کے ایک کچے مکان میں دلہن بن کر آگئیں

قدم گھر میں رکھے ہی تھے کہ اس محترمہ نے بچوں کو جمع کیا کہا بچو! ادھر آؤ دیکھو میں تمہاری خادمہ بنکر آئی ہوں۔ تاریخ میں تو اتنا ہی ہے لیکن ممکن ہے یہ بھی کہا ہو زینبؑ بیٹی میں تمہارے بال سنواروں حسنؑ بیٹے اپنی خادمہ کو اشارہ کردیں تم ہی لوگوں کے لئے خدمت کرنے آئی ہوں یہ بھی ممکن ہے حسینؑ کو گود میں لے کر پیار کرتے ہوئے کہا ہو شہزادے آپ بہت پیارے بچے ہیں آپ ہم سے فرمائش کیا کریں۔

اور پھر ۴ شعبان یا ۷ رجب ۲۶ھ کو اللہ نے اس بی بی کی گود بھر دی۔ ایک چاند سا بیٹا خدا نے عطا کیا۔ حسینؑ نے سنا تو آئے گود میں لیا۔ پیار کیا تیکھی چتون اور بازو دیکھے تو کہا یہ عباسؑ ہے میرا عباسؑ بپھرے ہوئے تیور دیکھ کر حسینؑ نے عباسؑ کہا۔ حسن و جمال نے دنیا والوں سے قمر بنی ہاشم کہلوایا اور ماں ام البنینؑ کے لقب سے یاد کی جانے لگیں جب یہ چاند سا بیٹا ماں کی گود میں ذرا غوں غاں کرنے لگا حسینؑ کو دیکھ کر ہمکتا۔ حسینؑ بھائی کو گود میں لے کر بھینچ لیا کرتے۔ بچہ بھائی کی آغوش میں نہ جانے کیوں کھلا پڑتا اور اگر حسینؑ چھوڑ کر جانے لگتے تو انھیں کی طرف دیکھا کرتا یہاں تک کہ حسینؑ نظروں سے اوجھل ہو جاتے۔

لڑکپن کا زمانہ اور گھر کے باہر کا ماحول: اس ضمن میں بس صرف ایک صحابی رسولؐ کی زندگی کے دو باب ملاحظہ فرمائیں آپ کو ماحول کا اور لوگوں کی ذہنی کیفیات کا اندازہ ہو جائے گا۔

ایک موقع پر لوگوں نے دیکھا کہ مکہ معظمہ میں رسولؐ کریم کے معزز و معروف صحابی حضرت ابوذر غفاریؓ خانہ کعبہ کا دروازہ پکڑے کھڑے ہیں لوگوں کا ہجوم ہے۔ پُر شوق نگاہیں ان کی طرف لگی ہیں لوگ ان کی تقریر دلپذیر سننے کے

مشتاق ہیں اور وہ لوگوں کو متوجہ کر کے فرما رہے تھے "اے لوگو جو شخص مجھے جانتا ہے سو جانتا ہے اور جو شخص مجھے نہیں جانتا میں اس کو مطلع کرتا ہوں کہ میں ابوذرؓ ہوں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے سنا ہے کہ میرے اہلبیتؑ کی مثال کشتی نوحؑ کی مثال ہے جو شخص اس پر سوار ہو گیا اس نے نجات پائی اور جس نے منہ موڑا وہ غرق ہوا" (بحوالہ ینابیع المودۃ مصنفہ شیخ سلیمان قندوزی مفتی اعظم قسطنطنیہ صفحہ ۱۵۴ و ۱۶ طبع لاہور) اس کے علاوہ ابن عباسؓ اور عبداللہ بن زبیرؓ وغیرہ نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے حال ہی میں مولانا محمد شفیع اوکاڑوی سنی حنفی نے دو جلدیں تالیف فرمائی ہیں۔ کہ نام ہی ان کتب کا ہے سفینہ نوحؑ اور وہ دونوں جلدیں اسی حدیث شریف پر مشتمل ہیں۔ پھر پتہ چلا کہ رسولِ اکرمؐ کے انھیں صحابی کو حکومتِ وقت نے جلا وطنی کا حکم دیا ہے۔ کہ وہ مدینہ چھوڑ دیں اور وہ مقام جو انھیں ناپسند ہے یعنی ربذہ کو چلے جائیں اور خبردار کوئی ان کے ہمراہ نہ ہو اور نہ کوئی ان کو الوداع کہے۔ اگر کسی نے جرأت کی تو حکومت کے عتاب کا مستحق ہو گا منادی عام ہو گئی (بحوالہ کتاب الانساب بلاذری جلد ۵ صفحہ ۵۲ تا ۵۴۔ صحیح بخاری۔ طبقات ابن سعد جلد ۴ صفحہ ۱۴۰ اموی دورِ خلافت مولانا محمد باقر صاحب طبع کراچی صفحہ ۱۳۳) کتابوں میں تو بس اتنا ہی ہے لیکن میں کہتا ہوں اس اعلان عام کا ردِ عمل ہونا لازمی تھا۔ ممکن ہے لوگ گلیوں میں کھڑے ہو کر چپکے چپکے باتیں کرتے ہوں کوئی کفِ افسوس ملتا ہو گا کسی نے ادھر ادھر دیکھ کر کہا ہو گا بُرا ہو کیا زمانہ ہے۔ ابوذرؓ اصحاب صفہ کی ایک نمایاں شخصیت ابوذرؓ عابد و زاہد متقی پرہیزگار ابوذرؓ جن کو بنا بر روایت مسیح الاسلام کا لقب خود رسولؐ عطا فرمائیں ان کے ساتھ اور یہ سلوک۔

اور وہ وقت آگیا کہ حضرت ابوذرؓ اپنی بیٹی کو لے کر ربذہ کی سمت روانہ ہوئے بالکل قرینِ قیاس ہے لوگوں نے اپنے جھروکوں سے انھیں جاتے دیکھا ہوگا۔ کسی نے آنسو بہایا۔ کوئی آہ بھر کر رہ گیا اور پھر دیکھا کہ کچھ لوگ ان کو الوداع کہتے چلے آرہے ہیں۔ آگے آگے ایک بزرگ بارِش میانہ قد پرجلال بڑی بڑی آنکھیں گٹھا ہوا بدن کاندھے پر عبا یہ ہیں علیؑ ابن ابی طالب علیہ السلام ان کے ہمراہ امام حسنؑ۔ امام حسینؑ حضرت عمار یاسرؓ اور جناب عقیل ابن ابی طالب علیہ السلام بھی ہیں۔ مروان نے ان حضرات کو روکنا چاہا مگر حضرت علی علیہ السلام نے کوڑے سے خبر لی اور ڈانٹ کر بھگا دیا۔

اس ماحول میں ہمارے شہزادے حضرت عباس علیہ السلام کا لڑکپن گزر رہا تھا۔ دن گزرتے گئے ابو طالبؑ کا پوتا۔ ابوترابؑ کا بیٹا پروان چڑھتا گیا۔ علیؑ سے کمالات حرب سیکھے۔ حسنؑ کا حسن لیا اور حسینؑ سے صبر و ضبط کی تعلیم حاصل کی۔ ابھی بمشکل گیارہ برس کا سن ہوگا کہ ذی الحجہ ۲۶ھ میں صفین کی لڑائی چھڑ گئی۔ وہ جنگ جو تاریخ میں لیلۃ الحریر کے نام سے مشہور ہے جس میں صبح سے شام تک اور پھر رات بھر تلوار چلتی رہی لوگوں نے اشاروں سے نمازیں حالت جنگ میں ادا کیں۔ گھمسان کا رن پڑ رہا تھا خون کے فوارے جسموں سے چھوٹ رہے تھے کہ اتنے میں دیکھا ایک لڑکا بمشکل گیارہ برس کا سن تیکھی چتون ہاتھ میں ایک طویل نیزہ لئے صفوں کو چیرتا ہوا بڑھتا چلا جا رہا ہے اس کی کاکلیں چھٹی ہوئیں۔ جوتے کے بند کھلے ہوئے اس سن میں بھی یہ رعب ہے کہ کوئی مقابلہ پر نہیں آتا اور یہ تھے حضرت عباس علیہ السلام (ماخوذ از ذکر العباس مصنفہ مولانا نجم الحسن صاحب کراروی صفحہ ۴۴ طبع لاہور)

مروان ملعون کی زبان درازی

وقت گزرتا گیا اور پھر اسی مدینہ میں یہ خبر گرم ہوئی کہ حاکم شام مر گئے ان کا بیٹا یزید تخت نشین ہوا ہے لوگوں میں چہ میگوئیاں شروع ہو گئیں کسی نے کہا یہ رند مشرب ہے یہ امیر المومنین نہیں ہو سکتا کسی نے کہا نہ صرف شراب پیتا ہے بلکہ اول درجہ کا زانی ہے۔ پھر حاکم مدینہ کے نام ایک خاص حکم آیا لوگوں کو تشویش پیدا ہوئی۔ ایک سرکاری پیادہ محلہ بنی ہاشمؑ میں جاتا دکھائی دیا۔ اس نے سیدنا امام حسین علیہ السلام کو گھر پر حاکم کا پیغام پہنچایا کہ حضورؑ کو حاکم مدینہ ولید بن عتبہ بن ابو سفیان نے یاد کیا ہے۔ کسی اہم معاملہ میں گفتگو کرنی ہے۔ امامؑ عالیمقام نے اسکو یہ کہہ کر رخصت کیا کہ اچھا تم چلو ہم آتے ہیں۔

امام حسین علیہ السلام جب اندر واپس تشریف لے گئے تو بہنوں نے چہرے پر تشویش کے آثار دیکھ کر حضرت زینبؑ کو ان کے گھر جا کر مطلع کیا ہو گا۔ ممکن ہے۔ جناب زینبؑ چادر سنبھالتے ہوئے خود آگئی ہوں۔ اور بھائی سے پوچھا ہو بھیا آخر کیا بات ہے۔ یہ بھی ممکن ہے امام نے بہن کی چادر دیکھی ہو۔ شام کا بازار نظروں میں گھوم گیا ہو۔ اور منہ دوسری طرف کرکے آنکھ صاف کی ہو۔ کچھ نہیں بہن حاکم نے بلایا ہے (ہائے مسلمانوں یہ کیسا وقت آگیا اولادِ رسولؐ اور دربار میں طلب کرنا) جاؤں گا اور یقیناً جناب زینبؑ نے بھائی عباسؑ کو آواز دی ہوگی عباسؑ ذرا دیکھنا بھائی کو حاکم نے بلایا ہے۔ اور حسینؑ جانا چاہتے ہیں اور میرا دل کہتا ہے کہ عباسؑ علیہ السلام نے کہا ہو گا بہن فکر نہ کریں میں بھی ساتھ ہوں۔

تھوڑا وقت گذرا لوگوں نے دیکھا کہ حسینؑ چند جوانوں کے ہمراہ

دارالامارہ پہنچے۔ دروازہ پر پہنچ کر کہا تم لوگ یہیں ٹھہرو میں اندر جاتا ہوں ممکن ہے حضرت عباسؑ نے عرض کیا ہو آ یہ غلام گرس لگائے ہیں اور آقائے نامدار نے ارشاد فرمایا ہو مجھے بلایا ہے میں جاتا ہوں۔ البتہ اگر میری آواز بلند ہو تو تم لوگ بے شک اندر آجانا۔

امام عالی مقام اندر تشریف لے گئے حاکم نے کھڑے ہو کر استقبال کیا پہلو میں جگہ دی ایک طرف مروان بھی بیٹھا تھا۔ یہ مروان وہ ہے جس کو رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جلاوطن کر دیا تھا اور حضرت شیخین نے نہ صرف اس حکم (جلاوطنی) کو برقرار رکھا تھا بلکہ فاصلہ میں اور بھی توسیع کر دی تھی۔ اور جس کو حضرت عثمانؓ نے اپنے دورِ حکومت میں واپس بلا کر وزیر بنا لیا تھا۔ بہر حال رات کا وقت ہر طرف سناٹا چھایا ہوا قندیل روشن تھی گفتگو شروع ہوئی۔

حضور آپ کو اس وقت زحمت اس لئے دی ہے کہ حاکم شام کا انتقال ہو گیا۔ اس کی آپ کو خبر ہے اسکی جگہ اُن کا لاڈلا بیٹا یزید سریر آرائے مملکت ہوا ہے۔ یہ خط آیا ہے آپ بھی ملاحظہ فرمائیں اور اپنی رائے سے مطلع فرمائیں۔ امام حسین علیہ السلام نے خط دیکھا اس میں طلب بیعت کی تاکید تھی۔ آپ نے فرمایا یہ معاملہ بیعت کا ہے اس وقت کچھ مناسب نہیں معلوم ہوتا کل مسجد میں لوگ جمع ہوں گے اس وقت یہ موضوع کچھ زیادہ بہتر رہے گا۔

حاکم نے کہا جیسا ارشاد بجا ہے مجھے کچھ عذر نہیں۔

امام حسین علیہ السلام چلنے ہی والے تھے کہ مروان نے چپکے سے کہا کہ اگر حسینؑ اس وقت چلے گئے تو پھر کبھی ہاتھ نہ آئیں گے۔ یہ گفتگو حضرت امام علیہ السلام کے سمع ہمایوں میں پہنچی۔ آپ نے بلند آواز سے کہا اے زن زانیہ

کے بیٹے تیری یہ مجال کہ فرزند رسولؐ سے اس قسم کی باتیں کرتا ہے۔ آواز
کا بلند ہونا تھا کہ جوانان بنی ہاشمؑ تلواریں سونتے ہوئے درانہ گھس آئے
ان آنے والوں میں سب سے آگے ایک بلند قامت جوان ہے غصہ سے منہ
سرخ ہے آنکھوں سے خون ٹپک رہا ہے۔ ہاتھ میں دودستی تلوار ہے۔ اور
یہ ہیں عباسؑ (شرعۃ المصائب صفحہ ۱۰ طبع نولکشور لکھنؤ) حسینؑ کا بھائی علیؑ
کا مرادوں والا فرزند بنی ہاشمؑ کا چاند۔ مروان نے جو یہ صورت دیکھی گھبرا کر اندر زنان
خانے میں بھاگ گیا۔ حسینؑ نے بھائی کا بازو پکڑا ممکن ہے حاکم سے ان کے بپھرے
ہوئے تیور کی طرف اشارہ کر کے کہا ہو جانتے ہو یہ ہے میرا عباسؑ اور پھر
سب واپس چلے آئے۔

مدینے سے روانگی:۔ رجب کا مہینہ ہے مطالبہ بیعت پر سختی شروع
ہو رہی ہے امام حسین علیہ السلام فکر مند ہیں۔
لوگ آتے ہیں ملاقات کرتے ہیں کسی سے آپ نے فرمایا میں عنقریب سفر
کرنے والا ہوں میرے نانا کا حکم یہی ہے کسی سے کہا کہ حج کے لئے جانا چاہتا
ہوں ممکن ہے بہن سے کہا ہے۔ بہن اب وہ وقت آ گیا جس کا اللہ سے وعدہ
کیا ہے۔ بہن نے جواب دیا ہو بھیا فکر نہ کرنا میں بھی علیؑ کی بیٹی ہوں۔ میں
تیرے ساتھ ہوں ماں نہیں ہے تو کیا ہوا۔ زینبؑ جو ہے اور پھر سفر کی تیاریاں
شروع ہوئیں۔ جانے والوں کی فہرست تیار کرنے کا کام حضرت عباسؑ
علیہ السلام کے سپرد ہوا۔ حضرت عباسؑ نے سرورق لکھا۔
"نصر من اللّٰہ و فتح قریب" فہرست امام حسین علیہ السلام کے سامنے
پیش ہوئی حضرت نے دیکھا اور لکھا" انا للّٰہ و انا الیہ راجعون" امام حسین
علیہ السلام کی ایک صاحبزادی جناب صغراؑ ہیں ان کو کچھ حرارت ہو گئی اور پھر
بخار تیز ہو گیا۔ ام المومنین بی بی ام سلمہؑ کی لاڈلی تھیں وہی اس بچی کی تیمارداری کرنے

لگیں حسینؑ بیٹی کو دیکھتے اور منہ پھیر کر آنسو پونچھا کرتے۔ ممکن ہے بیٹی نے کہا ہو بابا میں بالکل ٹھیک ہوں۔ بابا دیکھئے نا بخار کم ہو گیا ہے۔ میں چل پھر سکتی ہوں میں بھی آپ کے ساتھ چلوں گی۔ کیوں دادی جان بھلا یہاں اکیلے کیا کروں گی اور یقیناً سب نے کہا ہوگا ہاں بیٹی خدا تم کو جلد شفا دے۔ کیوں نہ جائے گی۔ برابر میں جعفر طیار کے بیٹے عبدؐاللہ کا مکان ہے ان کو جناب زینبؑ منسوب ہیں اِن کے دو بچے عونؑ و محمدؑ بھی ہیں اس چھوٹے سے مکان میں یہ چھوٹا سا گھرانہ ہنسی خوشی زندگی گزار رہا ہے۔ عونؑ و محمدؑ نے جو ماموں کے سفر کی ہماہمی دیکھی بولے بابا ہم بھی جائیں گے۔ حضرت عبدؐاللہ نے کہا میں بھی جانا چاہتا ہوں مگر تمہارے ماموں عُذر کرتے ہیں کہ زمینوں کی دیکھ بھال کون کرے گا۔ پھر زوجہ کی طرف مخاطب ہو کر بولے ہاں زینبؑ اگر تم جانا چاہتی ہو تو خوشی سے جاؤ۔ مجھے اس سفر کا علم ہے اور یہ میرے بچے بھی ساتھ لیتی جاؤ اگر کوئی وقت آئے تو ان کو میری طرف سے پیش کر دینا۔ سامان تم بھی درست کر لو۔۔۔ محمد حنفیہؓ نے سنا وہ آئے اور کہنے لگے یا حضرت کہاں کا ارادہ ہے اگر کوئی مہم ہے تو میں بھی چلوں میرے بازو انشاء اللہ معرکہ صفین و جمل کی یاد تازہ نہ کر دیں تو کہتا اور امام نے فرمایا یہ ٹھیک ہے لیکن بھائی یہاں گھر کی خبر گیری کون کرے گا بہتر ہے آپ یہیں رہیں۔ آپ کے رعب کی وجہ سے گھر کا وقار قائم رہے گا۔ عبداللہ ابن عباسؓ مشہور محدث بھی تشریف لائے اور کہا، حسینؑ کہاں کا ارادہ ہے۔ فرمایا مجھے نانا کا حکم ملا ہے کہ میں سفر کروں۔۔ اور ہوتے ہوتے ۲۷ رجب کی صبح نمودار ہوئی۔ سواریوں کا اہتمام ہونے لگا اونٹ گھوڑے۔ ناقے عماریاں محملیں لائی گئیں۔ سامان اونٹوں پہ بار کیا جانے لگا مشکیں ساتھ لی گئیں۔ جیسے جیسے سورج چڑھتا گیا لوگ جمع ہونا شروع ہوئے امام حسین علیہ السلام ایک سے گلے مل رہے ہیں حضرت عباسؑ حضرت علیؑ اکبر، حضرت قاسمؑ اور عونؑ و محمدؑ سب ہی خوش ہیں اور انتظام میں لگے ہوئے ہیں

جب سب سامان تیار ہو گیا عورتوں کو سوار کرانے کی نوبت آئی گلی میں پردے کا اہتمام ہوا، قناتیں لگادی گئیں۔ اونٹ باری باری آنا شروع ہوئے محمل کا پردہ اٹھایا جاتا اور ایک ایک بی بی کو بازو تھام کر سوار کیا جاتا۔ امام حسینؑ بی بی ام سلمہؓ سے رخصت ہوئے بیٹی کے پاس گئے۔ بخار تیز تھا۔ ہوشیار کیا۔ کہا بیٹا ہم جاتے ہیں ممکن ہے حضرت عباس پاس کھڑے ہوں اور صغراؑ نے کہا ہو چچا میں بھی جاؤں گی۔ بھیا علی اکبرؑ نے سمجھایا ہو گا کہ بی بی دھوپ ہے جنگل میں لو چلتی ہے۔ تم بیمار ہو۔ تم گھر میں آرام سے رہو۔ جب بہتر ہو جاؤ گی خط لکھنا میں آکر لے جاؤں گا۔ اطمینان سے رہو۔ میری بہن بڑی اچھی ہے بی بی دیکھیا با سفر کو جا رہے ہیں خوشی خوشی وداع کرو۔ اور جناب صغراؑ نے کہا اچھا خدا حافظ مگر مجھے بھیا بھول نہ جائیگا نہیں ضرور آکر لے جائیے گا لائیے علی اصغرؑ کو پیار کر لوں۔ میر انیس اعلی اللہ مقامہ نے اس موقعہ کا نقشہ کھینچا ہے کہ جب علی اصغرؑ نے بہن کو دیکھا تو دونوں ہاتھ لٹکا دئیے۔ یقیناً اس رخصت کے موقع پر گھر میں کہرام بپا ہوا ہو گا ہر ایک کی آنکھ میں آنسو رہے ہونگے حضرت عباس علیہ السلام پردے کے اہتمام میں سرگرم ہیں۔ ایک ایک کر کے تمام بیبیاں سوار ہوئیں پھر مرد سوار ہوئے اور قافلہ روانہ ہوا۔ اہل مدینہ سے بہت سے لوگ اپنی اپنی سواریوں پر ہمراہ ہوئے جدھر سے یہ حسینی قافلہ گزرتا لوگ رونے لگتے۔ ایک کہرام بپا تھا۔ امام حسینؑ نانا کی قبر سے رخصت ہوئے حضرت عباسؑ قافلے کے آگے آگے چل رہے ہیں امام حسینؑ ماں کی قبر پر گئے رخصت ہوئے جناب زینبؑ بھی قبر مادر سے رخصت ہوئیں۔ قافلہ چلتا جا رہا ہے۔ لوگوں کی تعداد بڑھتی جا رہی ہے پھر بچے بھی واپس ہوئے۔ قافلہ مدینے سے کافی دور ہو گیا۔ اب صرف

خاص خاص عمارتیں نظر آتی ہیں۔ امام حسین علیہ السلام نے خود لوگوں کو رخصت کرنا شروع کیا اور قافلہ ریگستان میں مکہ کی جانب رواں دواں چلا جا رہا ہے۔ حکومت بھی مطلع ہے کہ امام حسین علیہ السلام کا رخ مکہ کی جانب ہے اور امام عالی مقام مکہ معظمہ پہنچ گئے۔

مکہ سے روانگی:- تین ماہ قیام رہا جب موسم حج آیا تو معلوم ہوا کہ سینکڑوں آدمی اس امر پر مامور ہیں کہ اس حج پر خاموشی کے ساتھ حضرت کو قتل کر دیا جائے امام عالی مقام نے حج کو عمرہ سے بدل کر اس جگہ سے فوراً روانہ ہو گئے۔ حکومت وقت کی سازش ناکام رہی۔ اب حسین کا رخ عراق کی جانب ہے پل پل کی خبر حاکم کو دی جاتی ہے تیز رفتار سانڈنی سوار خبریں لے جاتے ہیں (دیکھو ناسخ التواریخ صفحہ ۲۱۰ جلد ۴)، مرکزی حکومت نے اپنے تمام عمال کو حکم دیا کہ حسین ابن علی کو مکہ چھوڑ دیا۔ اب عراق کی طرف رخ ہے۔ خبردار کوئی ان کی کسی قسم کی اعانت نہ کرے اور اعانت کرنے والا باغی سمجھا جائے گا۔ ناکہ بندیاں شروع ہو گئیں جگہ جگہ چوکیاں بٹھا دی گئیں۔ گورنر عراق والی کوفہ بشیر بن نعمان کو وہاں کے حالات کے پیش نظر ہٹا دیا گیا۔ اس کی جگہ درندہ صفت ابن زیاد کو حاکم کوفہ مقرر کیا گیا۔ اس نے فوراً فوجی بھرتی شروع کر دی۔ ایک جرار لشکر تیار کیا اس کی کمان حُر بن زیاد ریاحی کو دی جو ایک مشہور سپہ سالار تھا۔ اور کہا کہ حسین کا راستہ روک کر ان سے یا تو بیعت لو یا گرفتار کر لو یا پھر قتل کر دو۔ حُر تلاش میں چلا ادھر امام حسین علیہ السلام اپنی منزل کی طرف بڑھ رہے تھے

منزل شراف:- ناگاہ امام حسین علیہ السلام کے قافلہ والوں نے تکبیر کی آواز بلند کی کیونکہ انھیں ایک نخلستان سا نظر آ رہا تھا اور جب غور سے دیکھا تو درخت کی ٹہنیاں نہ تھیں بلکہ اونٹوں کے کان

اور نیزوں کی اَنی نظر آرہی تھی۔ اور قریب ہوئے تو دیکھا وہ ایک زبردست لشکر ہے۔ مگر حالت یہ ہے کہ ہر لشکروالے کے چہرے پر ہوائیاں اُڑ رہی ہیں سوار بدحواس ہیں، پیدل پریشان ہیں منہ سے آواز نہیں نکلتی۔ جانوروں کی زبانیں باہر نکلی ہوئی ہیں۔ مگر سب کے سب مسلح ہیں یہ منزل شراف ہے رحمتہؐ العالمین کے فرزند دلبند تھے۔ اسی علی ابن ابی طالبؑ کے لخت جگر نے جس نے جام شیر اپنے قاتل کو پیش کیا تھا۔ جب یہ منظر دیکھا تو فوراً اپنے بھائی عباسؑ کو آواز دی۔ اور جناب عباسؑ ابن علیؑ حاضر ہوئے۔ فرمایا پیاسے ہیں ان کو پانی پلاؤ۔ جب سیراب ہو چکیں گے تو بات کریں گے۔ قافلہ حسینیؑ کے اونٹ بٹھائے گئے پانی اُتارا گیا۔ جانوروں کے سامنے تشت رکھ دیئے گئے مشکوں کے دہانے کھول دیئے گئے . . . ادھر حضرت زینبؑ کی کیفیت ملاحظہ ہو۔ انھوں نے دیکھا یہ صحرا اور حدِ نگاہ تک کہیں سایہ نہیں۔ یہ ہزاروں مسلح جوان ان کے دل کو ہول ہوئی کہ یہ کون ہیں۔ ڈاکو نہیں ہو سکتے یہ تو تربیت یافتہ مسلح فوج معلوم ہوتی ہے۔

آخر علیؑ جیسے جرنیل کی بیٹی تھی معاملہ کی تہ کو پہنچ گئی۔ فضہؓ کو آواز دی ذرا بھیا کو بلانا۔ اور یہ بوڑھی سفید بالوں والی کنیز امام کے سامنے حاضر ہوئی امام نے ادب سے توجہ فرمائی اور ساتھ ہو لئے۔ بہن نے پوچھا بھیا آخر یہ کون ہیں۔ آپ نے آہِ سرد بھر کر کہا بہن یہ ہمارا دستہ روکنے پر مامور ہیں اور پیاسے ہیں فی الحال پانی پلا رہا ہوں۔ اتنے میں ساقیِ کوثر کے لال کی نظر ایک سوار پر پڑی کہ مشک کا دہانہ کھول کر پانی پینا چاہتا ہے مگر شدت عطش سے حواس میں نہیں ہے اور پانی پیتے نہیں بن رہا ہے۔ امام حسینؑ آگے بڑھے اور اپنے ہاتھ سے خود اس کو پانی پلانے لگے۔ ادھر حضرت عباسؑ علیہ السلام ایک ایک لشکری سے پوچھتے پھر رہے ہیں بھائی پانی پی لیا۔ اور تو نہ

چاہیے۔ کبھی پانی پلانے والوں کو ہدایت کرتے ہیں کہ دیکھو جب تک جانور خود منہ نہ اٹھائے۔ خبردار اس کے سامنے سے تشت نہ اٹھانا۔ سقائے سکینہ حسینی فوج کا علمبردار کبھی ادھر جاتا ہے کبھی ادھر۔ یہاں تک کہ سب خوب سیراب ہو چکے۔ ان کے سردار حُرؔ نے آکر امام عالیمقام کا شکریہ ادا کیا اور پھر نظریں نیچی کر کے ندامت کے ساتھ عرض کیا کہ میں اس پر مامور کیا گیا ہوں کہ آپ سے یزید کی بیعت لوں۔

کربلا:۔

گفتگو ناکام رہی اور قافلہ بڑھنے لگا۔ اس بے آب وگیاہ لق ودق صحرا میں ایک روز ٹھنڈی ہوا جسموں کو لگنے لگی امام حسینؑ نے فرمایا بھائی عباسؑ ذرا دیکھنا قریب کوئی دریا تو نہیں اور پھر معلوم ہوا کہ قافلہ لب فرات پہنچ چکا ہے۔ دریا کے قریب خیمے نصب کئے جانے لگے کہ ناگاہ حُرؔ کے لشکر نے آکر مزاحمت کی اور کہا کہ آپ لوگ خیمے ساحل سے دور نصب کریں۔ حضرت عباسؑ نے سنا جوش آگیا تلوار کے قبضہ پر ہاتھ رکھے آگے بڑھے فرمایا بہت عرصے سے برداشت کرتا چلا آرہا ہوں۔ اے احسان فراموش قوم تمہاری یہ مجال ہے کہ ہمارے خیمے یہاں سے اٹھا سکو اب تو عباسؑ نے نہر پر قبضہ کر لیا ہے لہجہ میں تیزی تھی۔ عنقریب کہ تلواریں کھنچ جائیں جناب زینبؑ نے بھائی کی آواز سُنی سمجھ گئیں کہ معاملہ بگڑ رہا ہے۔ فوراً فضہ کو آواز دی اور بھیجا کہ بھیا حسینؑ کو بلاؤ یہ جنگل میں کیا ہونے لگا ہے۔ امام تشریف لائے اور بھائی کو سمجھایا ادھر دیکھو عباسؑ۔ بات سنو میرا کہنا مانو ہم اپنے خیمے اٹھائے لیتے ہیں۔ عباسؑ ہم اپنی طرف سے ہر ممکن کوشش کریں گے کہ بندگان خدا کا خون نہ بہے۔ یہی نانا کا۔ بھائی کا اور بابا علیؑ کا اصول رہا ہے گھبراؤ نہیں عباسؑ جلد ہی تلوار کا موقعہ آنے والا ہے۔ یہ کیا ہیں ان کی حقیقت کیا ہے وہ ہاتھ جو خیمے نصب کر رہے تھے اب خیمے اکھاڑنے لگے

اور پھر ساحل سے دور ایک بلندی پر خیام نصب کئے گئے۔ عورتیں اتاری گئیں۔ بچوں کو چلنے پھرنے کا موقعہ ملا کھیلنے لگے۔ اور حضرت عباسؑ علیہ السلام نے اپنے سپرد خیام کی حفاظت کا کام لیا۔ رات اور دن خانوادۂ آل محمد کی دیکھ بھال کرنے لگے۔ لشکر حُر نے حالات سے حکام کو باخبر کیا۔ چاروں طرف سے فوجیں آ آ کر جمع ہونا شروع ہو گئیں۔ اور ایک صبح لشکر شام نے ایکبارگی باگیں اٹھا دیں۔ ہزاروں سوار نیزے تانے گھوڑے دوڑاتے ہوئے خیامِ حسینی کی طرف تیزی سے بڑھنے لگے۔ شاید انھیں یہ خیال ہوا کہ امام کی ہمراہی میں کتنے آدمی ہیں ہم ایک دم روندتے ہوئے گزر جائیں گے۔

حضرت عباسؑ علمدار نے جو دیکھا فوراً تلوار سونت کر جھپٹ پڑے آگے بڑھتے ہوئے لشکر کو اشارہ کر کے بولے خبردار جو اس خط سے آگے بڑھے بنی ہاشمؑ کی تلوار کی دھاک پہلے ہی دلوں پر بیٹھی تھی پھر ان کے حسن سلوک نے بھی گرویدہ بنا لیا تھا۔ باگیں کھنچ گئیں اور بڑھتا ہوا لشکر لوٹ گیا۔

رات کا سناٹا ہے۔ چاند بھی چھپ چکا ہے۔ دریائے فرات لہریں مار رہا ہے۔ ریگستان میں ٹیلے پر ایک طرف کچھ خیمے نصب ہیں۔ وہاں سے گاہے گاہے بچوں کے رونے اور ان کے بہلائے جانے کی آوازیں آ جاتی ہیں۔ کبھی کبھی کچھ ایسی آواز بھی آتی ہے۔ جیسے سب بچے مل کر یہ آواز العطش بلند کر رہے ہوں۔ کچھ فاصلہ پر ایک بڑا لشکر پڑاؤ ڈالے ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ پوری چھاؤنی آباد ہے۔ وہاں سقے مشکوں میں پانی لئے کہیں جانوروں کو پلا رہے ہیں کہیں چھڑکاؤ کر رہے ہیں۔ ساحل پر فوج علیحدہ پڑی ہے۔ اور ہر آہٹ پر للکار سنائی دیتی ہے۔ کون ہے؟ دوست یا دشمن اور کبھی کبھی کسی تیر کے سنسنانے کی آواز بھی سنائی دے جاتی ہے۔ ٹیلے کے قریب دو جوان گھوڑوں پر آہستہ آہستہ چل رہے ہیں ایک نے گھوڑے کو دوسرے

کے قریب لاتے ہوئے کہا عباسؑ جانتے ہو مولا علیؑ نے تمہاری والدہ سے
اسی وقت کے لئے عقد کیا تھا" عباسؑ نے انگڑائی لی کہ رکاب کے تسمے ٹوٹ
گئے. بولے اسد اللہ کے فرزند کو جوش دلاتے ہو.

روز عاشورہ: پھر عاشورہ نمودار ہوئی حضرت علی اکبرؑ نے اذان دی نماز
ہوئی. اور لشکر اسلام ترتیب دیا جانے لگا علم لشکر
عباسؑ ابن علیؑ کے سپرد ہوا. بہن نے بھائی کو بلائیں دیں. بھاوج کو
مبارکبا ددی۔

حق کی فتح: ابھی صفیں پوری طرح سے آراستہ بھی نہ ہوئیں تھیں کہ
حق کی فتح ہوئی. لوگوں نے دیکھا کہ شام کے لشکر سے
ایک سوار گھوڑا اڑاتا چلا آرہا ہے. قریب آیا. گھوڑے سے اترا. ہاتھوں
کو رومال سے باندھا. خدمتِ اقدس امام حسین علیہ السلام میں حاضر
ہوا. عرض کیا مولیٰ کیا میرا قصور اب بھی معاف ہو سکتا ہے اور یہ تھے حضرت
حُرؑ وہی حُرؑ جنہیں امام علیہ السلام کی راہ روکنے پر مامور کیا گیا تھا. حُرؑ جو ایک
مرتبہ امام عالیمقام کی بارگاہ میں گستاخی کر چکے تھے. وہی حُرؑ جنہیں منزل شرف
پر پانی پلا کر امام حسین نے اپنے ذخیرہ آب میں نمایاں کمی کر لی تھی. وہی حُر جو خیموں
کے نصب کرتے وقت مزاحم ہوئے تھے. وہی حُر جو ایک بڑے لشکر کا سردار
تھا. وہ آج لشکر کی سرداری. ٹھنڈی ہوا. سرد پانی. عمدہ غذا. امارت.
دولت. ثروت. اثر و رسوخ غرض دنیا کے ہر عیش پر ٹھوکر مار کر ادھر آگیا
تھا. جدھر نہ دولت تھی نہ جاہ و حشم جدھر حق اور صرف حق تھا۔ الغرض جنگ
شروع ہوئی ایک ایک کر کے غازی جانے لگے. حضرت عباسؑ علمدار آگے
بڑھے عرض کیا مولا غلام کو اجازت ہو ارشاد ہوا تم علمدار لشکر ہو. تم لشکر کی
زینت ہو. عورتوں اور بچوں کی ڈھارس ہو تمہارے ہوتے ہوئے کس کی مجال

ہے کہ ادھر آنکھ اٹھا کر دیکھ سکے۔ تم اپنے مقام پر رہو۔

جناب قاسم:- جناب قاسمؑ ابن حسنؑ ۱۳ یا ۱۴ برس کا سن کر تا پہنے تلوار حمائل کئے میدان میں گئے شام کے مشہور پہلوان ازرق شامی کے بیٹوں کو مارا پھر اس کو بھی واصل جہنم کیا۔ چاروں طرف سے گھیر لئے گئے۔ بنی ہاشمؑ کا یہ کم سن سپاہی چاروں طرف سے گھر کر لڑتے رہا۔ تلوار پہ تلوار پڑتی رہی لوہے کے ٹکراؤ سے چنگاریاں نکل رہی تھیں۔ دھوپ تیز تھی پسینہ میں تر بہ تر تھے۔ پیاس کی شدت تھی۔ گھوڑا بھی ہانپ رہا تھا۔ کوئی نیزہ کا وار کرتا یہ خالی کر دیتے۔ کوئی تلوار چلاتا کسی کو ڈھال پر روکا کسی پر حملہ کیا اور اس عالم میں کتنوں کو واصل جہنم کیا خود بھی زخمی ہو گئے اور خون بھی زیادہ بہہ گیا۔ گھوڑے پر سنبھلا نہ گیا۔ دشمنوں نے جو یہ عالم دیکھا حوصلے بڑھ گئے قریب آ کر وار کرنے لگے اور حسنؑ کا یہ چاند شام کی فوج کے بادلوں میں گھر گیا۔ کمسنی کا یہ عالم کہ آواز دی یا عماہ ادرکنی۔ اے چچا مدد کیجئے۔ حسینؑ نے یہ آواز سنی بے قرار ہو گئے عباسؑ کو ساتھ لیا دونوں بھائی اپنے بھتیجے کی مدد کو پہنچے درمیان میں فوج حائل ہو گئی ایک طرف سے عباسؑ نے بڑھ کر حملہ کیا دوسری طرف سے امام عالیمقام نے اور فوج پیچھے ہٹ گئی۔ قاسم گر چکے تھے۔ اب جو فوجیں ادھر سے ادھر ہوئیں جس کے اس لال کو زندگی ہی میں گھوڑوں کی ٹاپوں سے پامال کر دیا جب تک ہوش رہا آواز دیتے رہے اور بالآخر حسینؑ اور عباسؑ نے بھتیجے کے جسم کے ٹکڑے پائے۔

رخصت آخر:- وقت گزرتا گیا۔ یہانتک کہ حسینؑ تنہا رہ گئے اور عباسؑ سے نہ رہا گیا۔ قدموں پہ سر رکھ کر کہا مولا اب تو اجازت مرحمت فرمائیے ارشاد ہوا عباسؑ تم علمدار لشکر ہو۔ زینت لشکر ہو۔ عرض کیا

کیا آقا اب تو لشکر ہی نہ رہا جس کی زینت ہوتا۔ اتنے میں بھتیجی سکینہؑ بنت الحسین نظر پڑی گود میں اٹھا لیا کہا بی بی تم کو بہت پیاس ہے نا بیٹی میری سفارش بابا سے کردو۔ حسینؑ نے کہا اچھا اب اندر جا کر بہنوں سے رخصت تو لے آؤ۔ اندر تشریف لے گئے خیمہ کے اندر ایک کہرام مچ گیا بی بی زینبؑ نے کہا ایک مدت بابا میرے بازوؤں کو بار بار بوسے دے رہے تھے میں نے سبب پوچھا تو فرمایا بیٹی تیرے بازوؤں میں رسی باندھی جائے گی میں سوچا کرتی جس کا عباسؑ جیسا بھائی شیر دل اور موجود ہو اس کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی کون دیکھ سکتا ہے کجا بازوؤں میں رسی بندھے۔ مگر بھیا اب معلوم ہو گیا کہ وہ دن آ گیا۔ جاؤ عباسؑ خدا کے سپرد کیا۔ غرض سکینہؑ سے مشک لے کر چلے کاندھے پہ علم ہاتھ میں نیزہ کمر میں تلوار۔

تین دن کا بھوکا پیاسا سپاہی اعزا۔ احباب بھائی بھتیجوں کا داغ اٹھائے ہوئے عباسؑ چلے۔ مشک دیکھ کر لوگ سمجھ گئے کہ دریا کا ارادہ ہے اور یہ گھوڑا اڑائے ہوئے ساحل کی طرف بڑھتے چلے۔ لشکر یزید ملعون بیچ میں حائل ہوا۔ گھمسان کا رن پڑا مورچے ٹوٹ گئے۔ ہمتیں پست ہو گئیں نہر پہ عباسؑ کا قبضہ ہو گیا ممکن ہے بعض حضرات اس تاریخی حقیقت کو افسانہ طرازی یا خلافِ عقل ہونے کا الزام دیں ان کے وسوسۂ شیطانی کے ازالے کے لئے اتنا عرض کرنا چاہتا ہوں کہ ہیبت بہت بڑی چیز ہے جن لوگوں کو ہندو مسلم فسادات سے سابقہ پڑ چکا ہے وہ جانتے ہیں کہ جہاں کوئی نامی گرامی آدمی کی خبر سنی اور بھگدڑ مچ گئی۔ یہ انسانی فطرت ہے یہی حال وہاں پہ بھی تھا۔ حضرت عباسؑ کی شہرت جواں مردی سارے عرب میں پھیل چکی تھی انکی جرأت کا لوہا مانا جاتا تھا ان کی تلوار کی دھاک بیٹھ چکی تھی بس اگر نہر پہ اس تنہا سپاہی نے قبضہ کر لیا تو اس میں تعجب کی

کیا بات ہے۔ خصوصاً جبکہ مخالفین صرف پیسے اور جاہ و حشم کے طالب تھے یہاں
دنیا سے دل سیر تھا۔ رضائے الٰہی پیش نظر تھی وہاں صرف دنیا نظر میں تھی
پس اگر جان ہی نہ ہوگی تو جاہ و حشم کا کیا ہوگا ان حالات میں عموماً دنیا کے
بندے دنیا کی خاطر میدان چھوڑ کر بھاگ جایا کرتے ہیں۔

شہادت:۔ دشمنوں کو جہنم واصل کرتے ہوئے شیر خدا کے شبر نے نہر فرات میں گھوڑا ڈال دیا اس کی باگ ڈھیلی کردی کہ پانی پی لے خود
بھی سخت پیاسے تھے چلو میں پانی لیا اور فوج یزید کی طرف اچھال دیا کہ دیکھو
ہم تمہارے پہرے کے باوجود اپنی قوت سے فرات تم سے چھین سکتے ہیں مشک
بھری اور نکلنے لگے۔ بھاگا ہوا لشکر پھر جمع ہو گیا۔ ایک تو تھکے ہوئے دوسرے
پیاسے اور چڑھائی کی طرف آنا یوں ہی مشکل ہوا کرتا ہے۔ حضرت عباس
علیہ السلام ترائے سے نکلے۔ کوشش تھی کہ کسی طرح بچوں تک پانی پہنچ جائے
مگر افسوس کہ ایک شخص نے کمین گاہ سے داہنے ہاتھ پر وار کیا وہ ہاتھ کٹ کر
گرا ادھر بچے جمع ہو کر دیکھ رہے تھے انھوں نے دیکھا علم سرنگوں ہوا مگر ننھے
بچوں نے دعا مانگی کہ اللہ میاں ہمارے چچا کی خیر ہو۔ عباسؑ نے گرتے ہوئے
علم کو دوسرے ہاتھ سے سنبھال لیا۔ بچوں نے علم کو بلند ہوتے دیکھا خوش ہو گئے
ایک ہاتھ سے علم کو سنبھالیں۔ جنگ کریں مشک کو سنبھالیں۔ گھوڑے کی
باگ تھامیں۔ غرض ایک ہاتھ سے کیا کیا کریں جب کہ ایک ہاتھ کٹ چکا تھا
دشمنوں کے حوصلے بڑھ گئے۔ دور سے قریب آگئے بڑھ بڑھ کر حملہ کرنے لگے
ناگاہ عباسؑ کا دوسرا ہاتھ بھی کٹ گیا۔ اب مشک کو دانتوں سے تھام لیا
تلوار تیر اور نیزوں کی بارش ہو رہی تھی۔ ایک تیر نے مشک کو چھید دیا۔ پانی
بہہ گیا۔ عباس کی ہمت ٹوٹ گئی۔ اب جا کر کیا کروں گا۔ گھوڑے کا رخ فوج
یزید کی طرف پھیر دیا۔ ایک آہنی گرز پڑا۔ سنبھلا نہ گیا۔ ذرا خیال فرمایئے زین

پرکس طرح آئے ہوں گے۔ ہاتھ موجود نہ تھے۔ کہ ٹیک دیتے۔ آواز دی کہ آقا حسینؑ میرا آخری سلام قبول ہو۔ حسینؑ نے جب یہ آواز سنی کمر کو ہاتھوں سے پکڑے ہوئے میدان میں تشریف لائے۔ تھوڑی سی جنگ کے بعد سرہانے پہونچ گئے دیکھا کہ برابر کا بھائی زمین پر پڑا ایڑیاں رگڑ رہا ہے فرطِ محبت سے گھوڑے سے اپنے آپ کو گرا دیا۔ سر کو گود میں رکھا عباسؑ نے خواہش ظاہر کی زیارت سے محروم ہوں ایک آنکھ میں تیر پیوست ہے دوسری میں خون بھرا ہے۔ امام نے خون صاف کیا۔ عباسؑ نے وصیت کی کہ آقا میری لاش خیمے میں نہ لے جائیے گا۔ مجھے سکینہ سے شرم آتی ہے (رعتہ المصائب صفحہ ۱۸) کچھ وقت اور گزرا دفعتاً نقارے بجنے لگے ۔۔۔ میدانِ جنگ میں ایک شور برپا ہوا ہر سپاہی خوشی کے نعرے لگا رہا تھا۔ کوئی نیزہ چمکا رہا تھا کسی نے تلوار صاف کر کے نیام میں رکھی۔ ہر طرف گرد و غبار تھا اور گونج رہی تھی۔ "قد قتل الحسینؑ بکربلا" اور حسین علیہ السلام شہید ہو گئے۔

آفتاب کو گہن لگا۔ آندھی سیاہ چلنے لگی پھر عمر سعد نے جاہلیت کی روایت کے مطابق نعشوں کو پامال کرنے کا حکم دیا۔ گھوڑوں کا انتخاب ہوا ان کی نعل بندی ہونے لگی۔ یہ خبر ہر ایک نے سنی۔ حُرؑ کے لشکر میں چہ میگوئیاں ہوئیں چند سربرآوردہ سوار سامنے آئے تلواریں تولے ہوئے بگڑ کر بولے ہم اپنے سردار کی یہ توہین نہیں برداشت کریں گے۔ خبردار جو حُرؑ کے لاشے کی طرف نگاہ کی۔ عمر سعد نے کہا اچھا حُرؑ کی لاش الگ کر لو پھر تو ہر ایک کی جرات بڑھ گئی لوگ آتے گئے اور اپنے رفقا اعزا احباب۔ ہم وطن۔ ہم قبیلہ لوگوں کی نعشیں اٹھانے کا مطالبہ کرتے اور اجازت ملنے پر نعش الگ کر لیتے۔ یہاں تک کہ شمر ملعون نے جس نے امام حسینؑ علیہ السلام کا سر جسم مبارک سے الگ کیا تھا آگے بڑھا اور خشونت سے عمر سعد ملعون کو مخاطب کر کے بولا تجھے نہیں معلوم عباسؑ

میرا بھانجہ ہے پھر تونے اس کا پاس نہ کیا اور کیوں کر نعشوں کی پامالی کا حکم دیا۔ اگر میرے ہوتے ہوئے عباسؑ کی لاش پامال ہوئی تو میں دنیا میں منہ دکھانے کے لائق نہ رہوں گا یہ ذلت گوارا نہیں کر سکتا۔ اے حاکم تو میری رکابوں کو سونے سے بھر دے میں نے وہ کام کیا جو کسی سے نہ ہو سکا۔ لیکن خبردار جو عباسؑ کی بے حرمتی ہوئی۔ عمر سعد ملعون نے حکم دیا کہ اچھا عباسؑ کی لاش کو بھی الگ کر دو۔

مگر ہائے افسوس کوئی نہ تھا کہ کہتا کہ حسینؑ ہمارے نبیؐ کا نواسہؑ ہے حسینؑ اس کا نواسہؑ ہے جس کا ہم کلمہ پڑھتے ہیں انکی لاش کو بھی پامال نہ کرا اور اس کو بھی بچالے۔

اسلام والو واہ واہ کلمہ رسول اللہ کا

بڑھ بڑھ کے کاٹا ہے گلا ابن رسول اللہ کا

یہ تھا ذکر اس عباسؑ جری کا جن کا مرتبہ ان لوگوں سے پوچھو جو ان کی زیارت سے مشرف ہو چکے ہیں۔ جہاں آئے دن معجزات ہوتے رہتے ہیں جنکو اس کتاب میں بھی پیش کیا جا رہا ہے حضرت عباس علیہ السلام کے بارے میں ایک قول یہ ملتا ہے کہ حضرت عباس علیہ السلام۔ عادل متقی ثقہ اور پاک طینت جواں مرد تھے۔ آپ ائمہ طاہرین کی فقیہہ اولاد میں ایک زبردست فقیہہ تھے (تنقیح المقال صفحہ ۱۲۸) اور یہ تو ہر شخص جانتا ہے کہ خاتون جنتؑ بی بی فاطمہ زہرا نے ان کو اپنا فرزند کہا ہے (اسرار الشہادۃ صفحہ ۳۴۴) سلام ہو علیؑ کے اس دلبند عباسؑ پر۔

حضرت عباسؑ علیہ السلام نے کربلا کے میدان میں دکھایا کہ حق کا ساتھ یوں دیتے ہیں یہی شمر تھا جس نے آپ کو ہر طرح سے خریدنے کی ہر ممکن کوشش کی۔ افسری دولت شوکت جاہ و حشم دوسری طرف فاقہ پیاس زخم اور پھر دنیا

سے رخصتی لیکن حق کے مقابلہ میں آپ نے ان سب کو ٹھکرا دیا۔ پیاسا رہنا گوارا کیا اپنی زوجہ کی دربدری پسند کی لیکن حق کا ساتھ نہ چھوڑا ہمارے لئے ایک کامل نمونہ ہیں۔ عباسؑ۔ آج بھی ان کی پیروی دنیا کی تقدیر بدل سکتی ہے۔

مادہ تاریخ شہادت حضرت عباس علیہ السلام

مولانا روم نے حضرت عباس علیہ السلام کی شہادت کی تاریخ لفظ 'دین' سے "دال" کو نکال کر مرتب کی ہے۔

وہ کہتے ہیں "سر دیں را برید بے دینے"

مظفر حسین اسیر (مرحوم) شاعر دربار واجد علی شاہ تاجدار اودھ نے "سید بے یدز سے تاریخ نکالی ہے۔ یاس آروی بہاری نے لفظ حسینؑ سے "ح" کو علیحدہ کر کے حروف منقوطہ سے الگ اور لفظ غیر منقوطہ سے الگ تاریخ نکالی ہے۔

اگرچہ ان میں ایک عدد کم ہے لیکن بلاغت کے لحاظ سے قابل قدر ہیں۔

حضرت عباسؑ کی کربلا میں قربانیاں

ویسے تو کربلا میں ہر مجاہد نے اپنی اپنی قربانی پیش کی اور بعض نے اپنے خاندان کے تمام افراد کو قربان کر دیا۔ اجتماعی قربانی پیش کرنے والوں میں جناب عباسؑ کا نام سرفہرست آتا ہے۔

آپ کے حقیقی بھائیوں میں جناب عبداللہ عمر[۲۵] پچیس سال جناب جعفرؓ عمر تیئس[۲۳] سال اور جناب عثمانؓ عمر اکیس[۲۱] سال ان تینوں بھائیوں نے اپنے بڑے بھائی کے حکم پر مسکراتے ہوئے جام شہادت نوش

کیا اور ان تمام کے آخر میں جناب عباسؑ نے اپنے اس حسین و جمیل اور نوجوان فرزند کو جو تہائی عبادت گزار اور پابند تہجد تھا جس کی پیشانی پر سجدوں کے نشان تھے اپنے ہاتھوں سے کفن پہنا کر بھائی کی خدمت میں حاضر کیا۔ اور ان پر سے تین بار قربان کر کے میدانِ جنگ میں شہید ہونے کے لئے بھیجدیا۔ ان صاحبزادے کا نام محمد تھا۔ اور ان سے ابوالفضل عباسؑ کو اس قدر شدید محبت تھی کہ ایک لمحہ کو بھی خود سے جُدا نہ کرتے تھے۔

جناب عباسؑ کا اعلیٰ کردار

حقیقت یہ ہے کہ ایک مجاہد کے بلند کردار کا اندازہ صرف میدان جنگ میں ہوتا ہے۔ کربلا کی جنگ میں تقریباً ہر فرد کو یقین ہو گیا تھا کہ اس کی شہادت یقینی ہے اور اس یقینی موت کے بعد بھی اس کے پائے استقلال میں فرق نہ آئے یہ بڑا مشکل مرحلہ ہے۔

یا بار بار اس مجاہد کو امان کے موقعہ دیئے جائیں یا میدان جنگ سے چلے جانے کو کہا جائے اور وہ ان تمام مراعات کو ٹھکرا دے یہ بہت بڑے ظرف کی بات اور اعلیٰ کردار کا نمونہ ہے۔ تاریخ کے آئینہ میں جب ہم دیکھتے ہیں تو سرفہرست یہ واقعہ نظر آتا ہے۔ عبداللہ ابن ابی محل جناب ام البنینؑ کا بھتیجہ تھا جس کا شمار رؤسائے کوفہ میں ہوتا تھا اس نے اولادِ ام البنینؑ کے لئے ابن زیاد سے فرمان لکھوا کر اپنے غلام کرمان کے ہاتھ کربلا میں جناب عباسؑ کو بھجوایا تھا جس کو دیکھ کر امام حسین علیہ السلام نے بھی جناب عباسؑ کو رخصت ہونے کی اجازت بخوشی دے دی تھی۔ لیکن جناب عباسؑ نے جو اس امان نامے کا

جواب دیا ہے وہ تاریخ کے اوراق میں ہمیشہ یادگار رہے گا آپ نے فرمایا۔ ہمارے ماموں زاد بھائی سے ہمارا سلام کہدینا۔ اور یہ کہنا کہ ہم کو اس امان نامہ کی ضرورت نہیں۔ امان اللہ خیر من امان ابن سمیۃ۔ یعنی ابن زیاد کی امان سے اللہ تعالیٰ کی امان کہیں زیادہ بہتر ہے۔ یہ ہے عظیم کردار کی بات۔

اس ہی طرح آپکو شب عاشور بھی امام عالی مقام نے ایک اور موقع دیا۔ یعنی جس وقت امام حسین علیہ السلام نے اپنے تمام رفقاء سے بیعت اٹھالی چراغ گل کردیا اور عام اجازت دے دی کہ جس کا دل چاہے اس تاریکی میں چلا جائے۔ یہ لوگ صرف میری جان کے دشمن ہیں باقی کسی کے ساتھ کوئی تعرض نہ ہوگا تو اس وقت بھی جناب عباسؑ سب سے پہلے جواب دیتے ہیں "خدا ہمیں وہ روز بد نہ دکھلائے کہ ہم آپ کے بعد زندہ رہیں، اگر ہم کو ستر بار بھی موت آجائے اور زندہ کئے جائیں تو ہمارا یہی جواب ہوگا" اور آپکے تمام بھائیوں نے آپ کے اس جواب کی تائید کی۔ اسی طرح روز عاشورہ بھی آپکو اس کا موقعہ ملا۔ اور امام عالی مقام نے یہ فرماکر کہ اگر عباسؑ تم دشمن کے لشکر میں چلے گئے تو زینبؑ کے سر سے ردا اتارنے کی کسی میں جرأت نہ ہوگی۔ لیکن جناب عباسؑ نے اس وقت بھی عجیب جواب دیا۔

"آقا آج ہی کے دن کے لئے تو والدہ ماجدہ نے میری پرورش کی تھی اور شیر خدا نے یہ وعدہ لیا تھا کہ اپنے بھائی حسینؑ کا ساتھ نہ چھوڑنا۔" تو یہ ہے جناب عباسؑ کا وہ بلند کردار جس کے باعث ان کی اپنے بھائی سے وفاداری ایک ضرب المثل بنکر رہ گئی ہے۔

قمرِ بنی ہاشم کا خاندان

انسان کو بہت کچھ اپنے اسلاف اور اپنے ماحول سے ملتا ہے۔ قمر بنی ہاشم حضرت عباسؑ کا خاندان اعلیٰ صفات سے مرصع تھا اور ان کا خاندان و ماحول شخصیت ساز تھا۔ حضرت عباسؑ نے اپنے خاندان اور اپنے ماحول سے بہترین صفات وراثت میں پائے آپ کا پدری نسب نامہ یہ ہے۔

قمر بنی ہاشم بن امیر المومنین علی ابن طالب علیہ السلام بن عبدالمطلب بن ہاشم بن مناف بن قصی بن کلاب بن فہر بن کعب بن موسیٰ بن غالب بن فہر بن مالک بن نضر بن کنانہ بن خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس بن مضر بن نزار بن معد بن عدنان۔ شیعہ نقطۂ نظر سے سلسلۂ نسب کے تمام افراد موحد تھے۔ علماء قرآن مجید کی اس آیت سے استدلال کرتے ہیں وتقلبك في الساجدين۔

یعنی حضرت آدم سے حضرت عبداللہ تک جن جن صلبوں سے نورِ رسالت منتقل ہوتا رہا ہے وہ سب خدا پرست تھے اور اپنے وقت کے نیک انسان تھے۔ رسول خدا اور حضرت علی کی کتب سیرت میں ان کے اسلاف کے عقائد اور سماجی و اخلاقی خدمات کا ذکر آتا ہے (۱) حضرت بنی ہاشم کے جد امجد حضرت ابو طالبؑ صرف یہی نہیں کہ حضرت رسولِ خدا کے مربی اور چچا اور امیر المومنین کے والد ماجد تھے بلکہ اپنے ذاتی اوصاف کے لحاظ سے بھی عرب کی تاریخ میں نمایاں مقام رکھتے تھے۔

وہ مکہ کے سردار تھے۔ عقیدۂ توحید انھیں حضرت ابراہیم سے وراثت

پلا تھا۔ حالانکہ مکہ حضرت ابراہیمؑ کے جادے سے دور جا پڑا تھا۔ اور شرک کے دلدل میں پھنس گیا تھا لیکن حضرت ابوطالب اس کثیف و تاریک ماحول میں بھی اپنے سینہ میں توحید و عرفان کی شمع روشن رکھی اور اپنے عہد میں اسرار الٰہیات کے نکتہ داں تھے۔ شعر و سخن، خطابت و حکمت میں کوئی اس زمانے میں ان کا مثل نہ تھا۔ حضرت عبدالمطلب کو ان کی فہم و فراست، علم و ادب اور عقیدہ و نظر پر بڑا اعتماد تھا اس لئے انھوں نے اپنی وفات کے بعد امانت الٰہی یعنی سردار الانبیا کی کفالت ان کے ذمہ کی۔ انھوں نے انتہائی خلوص و عقیدت سے سرور انبیاء کے عہد طفولیت میں اپنے فرائض انجام دیئے۔ اور جب اللہ نے حضرت کے سر مبارک پر ختم نبوت کا تاج رکھا تو حضرت ابوطالب نے ایک جانثار و ماہر فوج افسر کی طرح رسول خدا کی حفاظت کی اور اپنے سیاسی و معاشرتی اثر سے سردار انبیاء کو مخالفوں کے ہر طرح کے گزند سے بچاتے رہے۔ وہ عرب کے پہلے شاعر اعظم تھے جنہوں نے اپنی ساری کائنات نظم رسول کی سیرت نگاری اور اسلام کے اعلیٰ مقاصد اور مخالفین کے حملوں سے دفاع کے لئے وقف کر دی۔ ان کا دیوان بتاتا ہے کہ عرفان کے دریا کے وہ کتنے بڑے غواص تھے۔ اور ان کے پہلو میں کتنا بڑا دل تھا۔ عزم راسخ ہمت بلند صبر و رفعت میں انکی حیثیت ایک کوہ گراں کی تھی قریش کی مخالفت کے طوفان انھیں جناب رسول خدا کی خدمت سے ذرا سا بھی پیچھے نہ ہٹا سکے خدا پر یقین کامل اور رسول خدا کا عشق صادق اور اشاعت دین میں قربانی و ایثار کا جذبہ حضرت ابوطالب نے اپنے بعد اپنی نسل اور ہر حق پرست کے لئے وراثت میں چھوڑا۔ حضرت قمر بنی ہاشم کو اپنے دادا سے اعلیٰ ملکات کی یہ وراثت پوری طرح ملی۔ حضرت عباسؑ کی دادی حضرت فاطمہ بنت اسد بھی اپنے اعلیٰ صفات کی وجہ سے تاریخ اسلامی میں بڑے احترام کی یاد کی جاتی ہیں حقیقی

ماں کی طرح انھوں نے سرور انبیاء کی پرورش کی۔ اسلام کے عہد اول میں جن لوگوں نے ایمان لانے میں سبقت کی ان میں حضرت فاطمہ بنت اسدؑ کا نام سرِ فہرست ہے۔ رسول خدا اپنی چچی کو ماں کا درجہ دیتے تھے۔

(۲) حضرت عباسؑ نے جیسا نامور باپ پایا اس کے مقام کے تعین میں تیرہ سو سال سے علماء حدیث و تفسیر و کلام و فقہ و ادب و حکمت کوشاں ہیں اور ان کا سفر ابھی منزل کی تلاش میں ہے۔ عہد رسول میں ان کے معصوم بچپنے اور عہد جوانی کے آثار اس طرح درخشاں ہیں جیسے شب ماہ میں آسمان پر ستارے چمکتے ہیں۔ ان کی خدمات لافانی۔ ان کا علم و فضل بے مثال اور ان کی قربانیاں جاودانی ہیں۔ صاحب وحی کی تعبیر ہی حضرت علیؑ کے کمالات و خدمات لفظی سی دمصوری کر سکتی ہے۔ معجز بیان پیغمبر کا ارشاد ہے۔ جنگ خندق میں عمرو بن عبدود پر حضرت علی کی ایک ضربت جن وانس کی عبادت کے برابر ہے یا جنگ خیبر کے متعلق حضرت نے فرمایا تھا۔

میں کل اس شخص کو علم دوں گا جو اللہ اور رسول کا محبوب ہوگا وہ بغیر فتح کے میدان نہ چھوڑے گا (تاریخ طبری ۹۳/۲) رسالتمآب کے ایمانی دین کی خدمت اور تشریح میں حضرت علیؑ نے اتنا کام کیا ہے کہ اگر رسول خدا کے لئے آدم اول کی تعبیر صحیح ہو تو حضرت علی کو آدم ثانی کہنا بجا ہوگا۔ اور اگر رسول خدا کے لئے معلم اول کا لقب اختیار کیا جائے تو حضرت علیؑ کے لئے معلم ثانی کے سوا کوئی موزوں لقب نہ ہوگا۔

(۳) حضرت عباسؑ کو اپنے بے نظیر باپ سے بہت سے صفات ورداثت میں ملے ان صفات میں نمایاں تر صفات قائد کے ساتھ حیرت ناک فداکاری اور بے مثال اطاعت و جاں سپاری کہ حضرت علیؑ جس طرح رسول خدا پر اپنی جان قربان کرنے کے لئے تیار رہتے تھے۔ حضرت عباسؑ اسی طرح امام

حسینؑ کی قیادت میں اپنی زندگی کو قربان کرنا اپنی سعادت سمجھتے تھے۔

حضرتِ عباسؑ نے ماں بھی بڑی خوش صفات پائی۔ فاطمہ بنت حزام بن خالد بن ربیعہ بن وحید بن کعب بن عامر بن کلاب بن ربیعہ بن عامر بن صعصعہ بن معاویہ بن بکر بن ہوازن کتنا پیارا نام ہے فاطمہؑ اگرچہ معصومۂ عالم حضرت فاطمہ زہراؑ ابنت رسولؐ خدا کی جگہ پر نہیں ہو سکتی تھی۔ لیکن فاطمہ بنت حزام کے ساتھ حضرت رب العزت کی مرضی تھی کہ انھیں معصومۂ عالم کی سیرت کی اتباع کی توفیق دی۔ اور ایک بڑے مثالی گھر میں وارد ہو کر وہ اجنبی نہیں رہیں بلکہ اس گھر کی سعادت مندر کن بن گئیں۔ حضرت عقیل سے امیرالمومنین نے جب اپنے عقد کے متعلق مشورہ چاہا تھا تو انھوں نے حضرت فاطمہ بنت حزام کا نام لیا اور کہا کہ عرب میں ان کے اسلاف سے زیادہ بہادر اور شہسوار کوئی دوسرا خاندان نہیں ہے۔ اس خاندان کے مشاہیر ابو درار عامر بن ملک ملاعب الاسنہ اور عامر بن طفیل بن مالک اور عروہ اوحال بن عقبہ بن جعفر اور طفیل فارس قرزلؓ وغیرہ ہیں۔ عربی تاریخ جن کی بہادری و فراسیت سے خوب واقف ہے حضرت فاطمہ بنت حزام جن کی کنیت ام البنین تھی ازواج امیرالمومنین علیہ السلام میں سیدۂ عالم کے معرفت و فضل و خلوص و خدمات و شفقت و محبت و اطاعت میں نمایاں مقام رکھتی تھیں۔

انھیں ۲۶ھ میں حضرتِ عباس علیہ السلام کی ماں ہونے کا شرف حاصل ہوا ان کے چاروں فرزند عباسؑ علمدار عبداللہؑ جعفرؑ عثمانؑ کربلا میں کام آئے حضرت ام البنینؑ کو اپنے بیٹوں کی شہادت پر فخر و ناز تھا۔ اپنے مشہور مرثیے میں ان کی بے مثال بہادری کا بڑے فخر سے ذکر کیا ہے۔

حضرت عباسؑ کو چچا بھی ایسے ملے جن کا نام عزت و وجاہت کی فہرست میں نمایاں جگہ پر ملتا ہے۔ آپ کے ایک چچا کا نام "طالب" تھا۔ آپ کے دادا کی

کنیت انہیں کے نام سے ابو طالبؑ تھی۔ روضہ کافی کیلینی میں امام جعفر صادقؑ کا ارشاد درج ہے کہ طالبؓ بدر سے پہلے ہی اسلام کی سعادت سے سرفراز ہو چکے تھے۔ قریش انکو اپنے ساتھ جنگ بدر میں جبراً لائے۔ رسول خدا قریش کی اس شرارت سے واقف تھے آپ نے اپنی فوج کے سرداروں سے کہہ دیا تھا کہ قریش بعض بنی ہاشمؑ اور بعض دوسرے قبائل سے لوگوں کو جبراً ساتھ لائے ہیں اگر کوئی انھیں پائے تو قتل نہ کرے۔ طبری (۲۸۲/۱)

بدر میں ان کا لایا جانا تاریخ بتاتی ہے۔ نہ تو وہ بدر کے مقتولین میں تھے اور نہ وطن زندہ واپس آئے۔ یہ مشہور کیا گیا کہ ان کا گھوڑا انہیں دریا میں لے کر چلا گیا اور وہ غرق ہو گئے۔ قیاس کیا جاتا ہے کہ قریش انھیں جب جبراً بدر میں لائے اور کسی طرح اپنا ہمخیال نہیں بنا سکے تو انہیں ہلاک کر دیا۔ رسول خدا کو جب معراج ہوئی اور آپ عرش تک پہنچے تو آپ نے وہاں چار نور دیکھے۔ حضور فرماتے ہیں میں نے پوچھا۔ پروردگار یہ کون نور ہیں۔ ارشاد باری ہوا یہ عبدالمطلبؑ ہیں اور یہ ابو طالبؑ ہیں یہ تمہارے باپ عبداللہؑ ہیں۔ اور تمہارے بھائی طالبؑ ہیں۔

(روضۃ الواعظین فتال ص ۱۷)

اگرچہ ہم طالبؓ کے خاتمے سے واقف نہیں ہیں اور ان کی زندگی کی تفصیلات کا ورق تاریخ سے گم ہو گیا ہے۔ پھر بھی جو اشارے ملتے ان سے ان کے صبر و استقامت اور قبول حق رائے کی تائید ہوتی ہے

دوسرے چچا حضرت عباسؑ کے جناب عقیلؑ ہیں یہ بھی اسلامی دعوت و تحریک کے آغاز ہی میں اس کے عقیدت مندوں میں شامل ہو گئے اگرچہ عہد رسالت میں ان کی خدمات سے تاریخ خاموش ہے لیکن جناب رسولِ خدا کے ایک فقرے سے کسی قدر یہ خلا پُر ہو جاتا ہے۔

حضرت نے فرمایا تھا۔ انی احبک حبین حبا لک وحبا بحب ابی طالب ایاک (سیرہ حلبیہ ج ۱ ص ۳۰۴) عقیل میں تم سے دہری محبت کرتا ہوں۔ تم سے مجھے ذاتی محبت ہے اور اس لئے بھی تم سے محبت کرتا ہوں کہ ابو طالبؑ تم سے محبت کرتے تھے حضرت ابو طالبؑ بڑے بلند نظر انسان تھے اچھے صفات ہی کسی کی جگہ ان کے دل میں بنا سکتے تھے۔ پھر اس پر جناب رسول خدا کی محبت کا اضافہ ان کے اعزاز و احترام کی ایک سند ہے۔ جناب رسولؐ خدا کی وفات کے بعد تاریخ نے جناب عقیل کو بھلا دیا۔ اور اگر وہ کبھی یاد آئے تو افترا پردازی اور بہتان کے لئے۔ اس کی ایک وجہ تو یہ تھی کہ وہ حضرت علی علیہ السلام کے بھائی تھے دشمن قلم کو اگر اطمینان ہوتا کہ وہ حضرت علیؑ کے سایہ پہ تہمتیں لگائے گا اور لوگ اسے قبول کرلیں گے تو وہ اسے بھی داغدار کرنے کی کوشش کرتا۔ عقیلؓ تو حضرت علیؑ کے بھائی تھے ان کے مشن کے حامی تھے۔ دشمن کی طرف سے ان کے کردار پر کیچڑ اچھالنے کی کوشش کرنا توقع کے خلاف نہیں ہے۔

پھر جناب عقیلؓ میں حضرت علیؑ کا سا صبر و ضبط نہ تھا وہ دشمن کا ترکی بہ ترکی جواب دیتے تھے۔ وہ کافی حاضر جواب تھے عرب کی تاریخ سے واقف تھے۔ اگر کوئی ان کے سامنے منہ کھولتا تو وہ اینٹ کا جواب پتھر سے دیتے تھے اور اس کا اور اس کے خاندان کا پول کھول کے رکھ دیتے تھے۔ اس لئے دشمن بھی ان پر تہمتیں لگاتا (ذکت الھیان صفدی ص ۲۰۰) لیکن فن روایت و تنقید جھوٹ کے چہرے سے فریب کی نقاب کھینچ لیتا ہے اور جھوٹ اپنی اصلی صورت میں نظر آنے لگتا ہے۔ مثلاً امیر المومنین کی زبانی یہ مشہور کیا گیا کہ میں بچپنے ہی سے مظلوم رہا۔ عقیل کی آنکھوں کو جب

آشوب ہو جاتا اور ان کی آنکھ میں دوا ڈالی جاتی تو وہ کہتے کہ جب تک علیؑ کی آنکھ میں دوا نہ ڈالی جائے گی میں دوا نہ ڈلواؤں گا۔ مجبوراً میں لیٹ جاتا۔ اور میری آنکھ میں دوا ڈالی جاتی۔ حالانکہ مجھے آشوب چشم کی شکایت نہ ہوتی۔ تنقید کو اس جھوٹ کو جھوٹ ثابت کرنے میں ذرا بھی فنی ملکہ سے کام لینے کی ضرورت نہیں پڑتی۔ معمولی توجہ سے معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ جھوٹی روایت ہے۔ تاریخ کا طالب علم جانتا ہے کہ جب حضرت علیؑ پیدا ہوئے تو اس وقت عقیلؑ کی عمر ۲۰ سال کی تھی۔ کون احمق یہ مانے گا کہ ۲۰ سال کا یہ جوان اپنی آنکھوں میں دوا ڈلوانے سے انکار کرے گا۔ جب تک اپنے چھوٹے بھائی کی آنکھ میں بے ضرورت دوا نہ ڈلوا لے۔

اس طرح واقعات کی غلط تفسیر سے ان سے غلط نتیجہ نکال لیا جاتا ہے۔ حضرت عقیلؑ نے جناب امیر المومنینؑ سے ان کی حکومت کے زمانے میں اپنی معاشی تنگی کی بار بار شکایت کی۔ بیت المال پر تمام مسلمانوں کا حق برابر تھا۔ ان کے علاوہ عوام میں دوسرے لوگ بھی تھے بیت المال کے حصے سے ان کے مصارف پورے نہیں ہوتے تھے۔ امیر المومنینؑ کے پاس کوئی دوسرا ذریعہ نہ تھا جس سے وہ ان کی معاشی مدد کرتے ایک دن حضرت علیؑ نے اپنی مجبوری کے اظہار کے لئے ایک تمثیلی طریقہ اختیار کیا۔ لوہا آگ میں تپایا جب وہ آئے تو ان کے جسم کے قریب لے گئے ان کے جسم نے لوہے کی آنچ محسوس کی حضرت علیؑ نے اپنی ذمہ داری کو اس تمثیل کی مدد سے بیان کیا فرمایا دنیا کی آگ کی تپش برداشت نہیں کی جا سکتی۔ میں تقسیم میں کوئی رعایت کر کے جہنم میں خدائے ذوالجلال کی جلائی ہوئی آگ کی تاب کہاں لا سکتا ہوں۔ امیر المومنینؑ سادے الفاظ میں انھیں مایوس کر سکتے تھے کہ میرے پاس بیت المال میں

آپ کے حصے کے علاوہ اور کوئی وسیلہ نہیں ہے کہ میں آپ کی خدمت کر سکوں۔ لیکن امیرالمومنینؑ کو اپنے گھر سے مثال قائم کرنا تھی کہ پھر کسی دوسرے کی ہمت نہ ہو کہ وہ اپنی معاشی ابتری سے مجبور ہو کر حکومت سے اصرار کرے کہ وہ اپنی عادلانہ تقسیم سے ہٹ جائے اور اس کے ساتھ کوئی خصوصی رعایت کرے۔

جناب عقیلؑ پر یہ الزام لگایا جاتا ہے کہ وہ امیرالمومنینؑ کا ساتھ چھوڑ کر معاویہ کے ساتھ شریک ہوئے۔ حالانکہ اس روایت کی کوئی معتبر سند نہیں ہے ابن ابی الحدید کا گمان یہ ہے کہ وہ حضرت علیؑ کی زندگی میں معاویہ کے پاس گئے۔ سید علی خاں نے درجات رفیعہ میں یقین کے ساتھ کہا ہے کہ وہ حضرت علیؑ کی زندگی میں ہرگز معاویہ کے پاس نہیں گئے۔ امیرالمومنینؑ کی شہادت کے بعد جیسے دوسرے لوگ مختلف ضرورتوں میں شام جاتے تھے۔ جناب عقیلؑ بھی گئے۔ انھوں نے شام کے دربار میں اموی حکومت کو کبھی نہ سراہا۔ بلکہ جب موقع آتا اس پر اعتراضات کی بوچھار کرتے اور حضرت علیؑ کے حق کی حمایت کرتے (عقد فرید ۲/۱۴۴)

حضرت عباسؑ نے اپنے چچا عقیلؑ کی حاضر جوابی و جرأت و دلیری کی وراثت پائی۔ حضرت عباسؑ کے ممتاز ترین چچاؤں میں حضرت جعفرؑ طیار ہیں۔ وہ رسولؐ خدا سے صورت و سیرت میں مشابہ تھے ۷ھ میں عمرۃ القضا کے موقع پر کہ میں ایک واقعہ کے سلسلے میں حضرت جعفرؑ کے متعلق سرور انبیاءؐ کی زبان مبارک پر یہ فقرہ آیا تھا۔ اشبہت خلقی وخلقی "تم مجھ سے صورت میں و سیرت میں مشابہ ہو۔ (بخاری) ج۵، بعثت رسول کے فوراً بعد جو تاریخی نماز جماعت قائم ہوئی اس کے ارکان میں حضرت

جعفرؓ بھی تھے۔ وہ ان کی زندگی میں اسلام کے سرفروش فدائی تھے۔ بعثت کے پانچویں سال جب مکہ میں کمزور مسلمانوں کو سانس لینا دشوار ہو گیا اور ترکِ وطن کے سوا عقیدہ کی حفاظت کی تمام راہیں ان پر بند ہو گئیں اور حبش ہجرت کرنے کی تجویز ان کے سامنے آئی تو حضرت جعفرؓ نے اس موقع پر اپنی یادگار قربانی سے تاریخ میں اپنی نمایاں جگہ بنالی۔ حالانکہ وہ خود اپنے قبیلے کی حفاظت میں تھے اپنے باپ کی رفاقت بھی انھیں عزیز تھی لیکن بے سہارا مسلمانوں کو ہجرت سے پہلے پہل سابقہ تھا۔ انہیں انجام معلوم نہ تھا اس لئے ایک ایسے قائد کی انھیں ضرورت تھی جو مصائب اور دشواریوں کا خندہ پیشانی سے سامنا کرے اور اس کی فکر گرہ کشا ہو۔ حضرت جعفر نے انتہائی ایثار سے کام لیا اپنے خاندان اور وطن کو چھوڑ کر مہاجرین کے ساتھ حبش چلے گئے۔ نجاشی شاہِ حبش ان کی یادگار تقریر سے شدت سے متاثر ہوا۔ ان کی حبش کی تقریر پر تاریخ اسلام کو فخر ہے۔ سیرت و تاریخ کی کتابیں اسے اپنا سرمایۂ شرف قرار دے کر برابر نقل کرتی چلی آرہی ہیں۔ کافی مدت تک حضرت جعفر وطن عزیز سے باہر رہے اس عرصہ میں عالم مسافرت میں انھیں اپنے پیارے باپ کی وفات کی خبر کا صدمہ بھی دل پر اٹھانا پڑا۔ جب خیبر فتح ہو گیا تو وہ حبش سے مدینہ تشریف لائے اور رسول خدا کے دہنِ مبارک سے یہ معنی خیز فقرہ سنا گیا "میں طے نہیں کر پاتا کہ کس بات پر زیادہ خوش ہوں جعفر کی واپسی پر یا خیبر کی فتح پر"۔ پھر حضرت نے اعتراف مقام کے طور پر انھیں نماز مخصوص کی تعلیم فرمائی جو نماز جعفر طیار کے نام سے مشہور ہے (جمال الاسبوع) ان کی زندگی کا آخری واقعہ جس نے ان کی یاد کو لافانی بنا دیا۔ جنگ موتہ میں انکی شہادت ہے۔ جنگ موتہ میں جو فوج بھیجی گئی تھی اس کے افسر اعلیٰ حضرت جعفر قرار دیئے

گئے تھے۔ اور یہ ترتیب قرار پائی تھی کہ اگر حضرت جعفر شہید ہو جائیں تو فوج کی قیادت زید بن حارثہ سے متعلق کی جائے اور اگر وہ بھی شہید ہو جائیں تو عبداللہ بن رواحہ فوج کے امیر مقرر ہو جائیں۔ (تاریخ یعقوبی ج۲ مناقب ابن شہر آشوب ج۱ ص ۱۴۲) حضرت جعفر نے بڑی آن بان سے دشمن کا مقابلہ کیا۔ دشمن نے ان کے دونوں بازو کاٹ دیئے۔ جب تک جسم میں جان باقی رہی انھوں نے اسلامی جھنڈے کو سرنگوں نہیں ہونے دیا۔ اسلامی تاریخ میں اس سرفروشی اور شہادت کی دھوم مچی ہوئی ہے۔

حضرت جعفر طیار کا مقام امیرالمومنین کے سوا اپنے بھائیوں میں بہت بلند ہو گیا۔ حالانکہ جناب عقیل ان کی شہادت کے بعد عرصہ تک زندہ رہے۔ لیکن حضرت جعفر کے تقدس اور ان کی بزرگی تک وہ نہیں پہنچ سکے۔ حضرت جعفر کی حیثیت اسلامی تاریخ کے ایک ہیرو کی ہے

حضرت مسلم بن عقیلؑ نے کوفہ میں اپنی یادگار شہادت سے اپنے باپ کا نام چمکایا اور ان کے شرف میں اضافہ کیا۔ حضرت عباسؑ کو حضرت جعفر طیار کی وراثت میں کافی حصہ ملا۔ دونوں کی شہادتیں بہت ملتی جلتی ہیں۔ دونوں کی حیرت ناک جرأت و وفاداری میں بہت زیادہ مماثلت ہے۔

جب حضرت عباس کے اسلاف کا ذکر چھڑا ہوا ہے اور ان کے اعمال کی وراثت بیان ہو رہی ہے حضرت عباس کی پھوپی جناب ام ہانی کو بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ آپ کا شمار ان لوگوں میں ہے جنھوں نے اسلام کے قبول کرنے میں سبقت کا شرف حاصل کیا تھا۔ بعثت کے تیرہ سال بعد جب رسول خدا کو معراج ہوئی تو آپ کا نزول ام ہانی ہی کے گھر میں ہوا۔ آپ نے پہلے معراج کا ذکر انہیں سے کیا اور انھوں نے اس خبر کی

تصدیق کی۔

حضرت عباس کے بھائی بہن

(۱) حضرت عباسؑ کے سترہ بھائی اور اٹھارہ بہنیں تھیں (طبری ۱۵۳)
بھائیوں میں امام حسن و حسین اور محسن یہ تینوں خاتونِ جنت کے بطن سے تھے
محمد بن حنفیہ کی ماں خولہ تھیں۔ حضرت ام البنین سے چار فرزند تھے۔ حضرت عباسؑ
و عبداللہ و جعفر و عثمان۔ عمر اطراف و عباس اصغر صہبا کے بطن سے تھے۔ محمد اصغر
کی ماں امامہ بنتِ ابی العاص تھیں۔ یحیٰی اور عون کی ماں اسمار بنتِ عمیس تھیں
عبداللہ و ابوبکر کی ماں لیلیٰ بنتِ مسعود تھیں۔ محمد اوسط کی ماں ام ولد تھیں۔
(طبری ۹۵) اس میں عبداللہ اصغر کا ذکر نہیں ہے) محسن کا چھ مہینہ کا حمل گر گیا
باقی اور بھائیوں کے ساتھ معاشرت کا موقع حضرت عباسؑ کو ملا۔

حضرت امام حسنؑ و حسینؑ کے مقام سے کم و بیش ہر مکتبِ خیال کے تاریخ
سے دلچسپی رکھنے والے واقف ہیں۔ امیر المومنینؑ کے بعد حضرت عباسؑ کی سیرت
پر جن لوگوں کا اثر ہے ان میں سر فہرست امام حسنؑ و حسینؑ کے اسمائے گرامی ہیں
یہ دونوں بھائی حضرتؑ کے شعور و احساسات پر چھائے ہوئے تھے۔ اور ان
کے لئے معیاری و مثالی انسان تھے ان کی اطاعت و فرمانبرداری حضرت عباسؑ
نظر میں بڑی سعادت و عزت تھی۔ بھائیوں کے چشم و ابرو پر ان کی نگاہ رہتی تھی۔
ان کا ذہن ان کے اشارات کو سمجھنے کے لئے تیار رہتا۔ وہ ان دونوں کو اپنے باپ
کی جگہ پر سمجھتے۔ بھائی سے زیادہ وہ انھیں امام معصومؑ کی حیثیت دیتے۔ لفظی
حیثیت سے اس کی کوئی اصل نہیں ہے کہ انھوں نے کبھی بھائی نہیں کہا۔ وہ آخر وقت
تک اپنے کو ان کا غلام کہتے رہے۔ ہاں یہ صحیح ہے کہ وہ ان دونوں کو بھائی سے زیادہ
واجب الاطاعت امام کی نظر سے دیکھتے تھے۔ ان کے سامنے فروتنی۔ خاکساری

ان کی پیروی واتباع اس سے کہیں زیادہ تھی جو ایک سلیم الطبع وسعید چھوٹا بھائی بڑے بھائیوں کی کرسکتا ہے۔ نہایت صاف طور پر محسوس ہوتا کہ ان کی نظر میں اخوت کے اثرات کے دو پلڑوں میں امامت کا پلہ وزنی ہے۔ یہ دونوں بھائی بھی ان سے اولاد سے کسی طرح کم محبت نہیں کرتے تھے۔ ان کی سعادت وخلوص ووفاداری کے گہرے نقش ان کے دلوں پر مرقوم تھے۔ ان دونوں بھائیوں کے علاوہ دوسرے بھائیوں میں محمد بن حنفیہؒ خاص شہرت کے مالک تھے محمد بن حنفیہؓ کی ولادت ۱۷ھ میں ہوئی (نہایہ ابن کثیر ج ۹ ص ۳۸) یا ۲۱ھ میں ہوئی۔ (ابن خلکان) اولاد امیر المومنینؑ میں امام حسنؑ وحسینؑ کے بعد محمد بن حنفیہؒ علم وعرفان میں نمایاں امتیاز رکھتے تھے تاریخ وادب کی کتابوں میں ان کے علم وعرفان کے بیان نے کافی صفحات گھیر لئے ہیں۔ امیر المومنینؑ ان کی علمی استعداد اور دینی عزت پر اعتماد رکھتے تھے۔ حضرت فرماتے تھے "محامدہ کو انکار ہے کہ اللہ کی نافرمانی کی جائے" محامدہ سے مراد محمد بن حنفیہؒ محمد بن جعفر طیارؒ ومحمد بن ابی حذیفہ بن عتبہ بن ربیعہ تھے۔ (رجال کشی ص ۴۴) علم وفضل وشجاعت وجرأت سے انہیں کافی حصہ ملا تھا۔ جنگ جمل میں حضرت علیؑ کی طرف سے دفاع میں ان کے بازو کی طاقت مسلم ہوگئی تھی۔ جنگ صفین میں ان کی تقریروں نے دشمن اور دوست سب سے ان کے خطیبانہ اقتدار کا اعتراف کرالیا تھا۔ کچھ تو اس لئے کہ ان کی صحت اس قابل نہ تھی کہ وہ جنگ میں حصہ لے سکتے اور کچھ اس لئے کہ امام حسینؑ کی طرف سے مدینہ میں وہ قیام پر مامور تھے کربلا میں شہادت کی سعادت نہ حاصل کرسکے (اجوبہ مسائل مہنائیہ علامہ حلی مقتل محمد بن ابی طالب)

حضرت محمد بن حنفیہؒ کے سامنے سے تاریخ کے بڑے اہم دور گزرے انھوں نے کافی عمر پائی وہ ایک ذہین وصاحب معرفت بزرگ تھے ان کی زندگی کا تذکرہ تاریخ میں بہت ہے پھر بھی تقدس واحترام میں وہ حضرت عباس علمدارؑ کا درجہ نہ پاسکے۔

حضرت عباسؑ کے بھائیوں کی فہرست میں محمد بن حنفیہ کا نام آثار و اذکار کے
لحاظ سے کافی پرثروت ہے

حضرت عباسؑ کے بھائیوں کی فہرست میں عمر اطراف کی تاریخ کافی ابہام
اور تاریکی میں ہے کچھ لوگ عمر اطراف کو حضرت عباسؑ سے بڑا کہتے ہیں۔ داؤدی
کا خیال ہے کہ یہ حضرت علی کی آخری اولاد ہیں (عمدۃ الطالب ۳۵۴)

واقعہ کربلا میں ان کی شرکت نہیں ہو سکی جن لوگوں نے ان کا شمار
شہدائے کربلا میں کیا ہے انہیں وہم ہو گیا ہے۔ دینوری سے یہ غلطی ہو گئی ہے
کہ مصعب اور مختار کے درمیان جنگ میں ان کو مصعب کی فوج میں دکھایا
گیا ہے اور لکھا ہے کہ یہ مصعب کی فوج میں شریک تھے۔ فریق مخالف نے
انہیں قتل کر دیا۔ (اخبار طوال ۲۹۷)

یافعی نے ان کو مختار کی فوج میں دکھایا ہے۔ بلکہ شہیدوں کی صف میں
دکھایا ہے (مراۃ الجنان یافعی ۱۴۳/۱)

عبید اللہ بن نہشلیہ کربلا میں شرکت سے محروم رہے ان کی زندگی کے واقعات
بھی اندھیرے میں ہیں ابو بکر ابن لیلیٰ بنت مسعود نہشلیہ کا نام شہدائے کربلا میں آتا
ہے ابن جریر کو ان کے قتل ہونے میں شک ہے شیخ عباس قمی نفس مہموم (۱۷۳/۱)
میں ظاہر کرتے ہیں کہ یہ کربلا میں قتل ہو گئے۔ البتہ ان کے قاتل کا نام معلوم
نہیں ہو سکا۔ محمد اوسط جن کی ماں ام ولد تھیں کربلا میں شرف شہادت سے سرفراز
ہوئے (ابن کثیر ۱۳/۱) عبد اللہ و جعفر و عمران نے بھی شہادت کا شرف پایا یا عباسؑ
اصغر کی وفات غالباً امیر المومنینؑ کے زمانہ ہی میں ہو گئی تھی۔

(۳) حضرت عباسؑ کی اٹھارہ بہنوں میں کچھ تو حضرت علیؑ کے زمانے ہی میں وفات
پا چکی تھیں۔ جیسے زینب صغریٰ۔ حمانہ۔ امامہ۔ ام سلمہ۔ رملہ صغریٰ (مناقب ابن شہر
آشوب ۷۶/۲) اور کچھ کی وفات امیر المومنینؑ کے بعد ہوئی مگر ان کی شادیاں نہیں

ہوئیں جن کی شادیاں ہوئیں ان میں نمایاں تر حضرت زینب کبریٰ ہیں۔ حضرت زینبؑ کی شادی عبداللہ بن جعفرؓ سے ہوئی۔ رقیہؓ کی شادی حضرت مسلم بن عقیل سے ہوئی۔ فاطمہ کی شادی ابو سعید بن عقیل سے ہوئی۔ ام ہانی کی شادی عبداللہ اکبر بن عقیل سے ہوئی۔ ام الحسن کی شادی جعدہ بن ہبیرہ مخزومی سے ہوئی امامہ کی شادی صلت بن عبداللہ بن نوفل بن حلوث مطلبی سے ہوئی۔

جناب زینبؑ حضرت عباسؑ کی وہ بہن تھیں جن پر کل بنی ہاشمؑ بلکہ عرب بلکہ دنیائے انسانیت کو فخر ہے۔ تحریک کربلا میں انھوں نے امام حسینؑ کا پورا پورا ساتھ دیا حضرت کی زندگی میں بڑے صبر وثبات سے ان کے اشاروں پر چلتی رہیں حضرت کی شہادت کے بعد اسیروں کی قیادت کا بار ان پر آپڑا۔ سید سجاد بیماری اور دوسرے مصالح کی بنا پر وہ زیادہ تر خاموش رہے۔ خاتونِ کربلا دختر زہراؑ نے تمام روح فرسا موقعوں پر نہایت حکمت وبصیرت سے کام لیا۔ بازار کوفہ ودربار زیاد اور بازار شام ودربار یزید میں ان کی انقلاب انگیز تقریروں کی تلخی دشمن کی کام ودہن آج تک محسوس کر رہا ہے۔

یہ وہ نام تھے جن میں بعض طبقہ حضرت عباسؑ کے اسلاف اور بعض کم وبیش آپ کے ہم عمر تھے یہ آپ کے بھائی بہن تھے۔ ان لوگوں میں آپس میں صفات کا تبادلہ ہوا۔ اب سرسری طور پر آپ کی نسل کا بھی ذکر کرتے ہیں جس سے کچھ اندازہ ہوسکے گا کہ حضرت عباسؑ سے ان کو کیا وراثت صفات ملی۔ حضرت عباسؑ کی کی پانچ اولادیں تھیں۔ عبیداللہ وفضلؓ (ناسخ) وحسنؓ (معارف ابن قتیبہ) وقاسمؓ اور دو بیٹیاں، ابن شہر آشوب نے کربلا کے شہیدوں میں حضرت عباسؑ کے ایک بیٹے محمدؓ کا نام لیا ہے۔ عبیداللہ وفضل کی ماں لبابہ بنتِ عبیداللہ بن عباسؓ بن عبدالمطلب تھیں۔ حضرت عباسؑ کی شہادت کے بعد حسن بن امیرالمومنینؑ نے عقد کر لیا تھا کہا جاتا ہے کہ ان سے نفیسہ پیدا ہوئیں (تذکرہ خواص الامہ ۳۲۳)

حضرت عباسؑ کی نسل صرف عبید اللہؒ سے چلی۔ بعض حسنؑ بن عباس کی نسل کا بھی جاری رہنا بتاتے ہیں۔ عبید اللہ بن عباسؑ نے علم و فضل میں مقام عالی پایا حسنؑ جمال و مروت میں بھی ان کا نام لیا جاتا ہے۔ ۱۵۵ھ میں ان کی وفات ہوئی ان کی تین بیویاں تھیں۔ رقیہ بنت حسن بن علی و بنت معبد بن عبد اللہ بن عبد المطلب بنت مسور بن مخترمہ زبیری (ذخیرۃ الدارین) حضرت عباسؑ کی وفا و قربانی کی داد ائمہ اہلبیتؑ کی مجلس میں عرصہ تک دی جاتی رہی۔

عبید اللہ بن عباسؑ کو جیسے امام زین العابدین دیکھتے آپ کی آنکھوں سے آنسو چھلک اٹھتے کوئی رونے کا سبب پوچھتا تو فرماتے ان کو دیکھ کر کربلا میں چچا عباسؑ کی قربانی یاد آجاتی ہے اور میں بیتاب ہو جاتا ہوں۔ عبید اللہؓ کی نسل میں فقہا و محدثین و پیدا ہوتے رہے۔ کتنا حسین ہے وہ کردار جس کی یاد سے اس کے سر براوری و نمایاں اسلاف کی یاد تازہ ہو جاتی ہے اور وہ اپنے تاریخی فخر و شرف میں اپنے خدمات و کمالات سے خود بھی چار چاند لگاتا ہے اور کتنا خوش نصیب ہے وہ انسان جس کی نسل میں اس کی روایت زندہ رہتی ہے اور اس کے اعقاب اپنے مورث کے صفات کی حفاظت کرتے ہیں اور اپنی تکمیل و ترقی کے سفر میں اس کی یاد سے شمع کا کام لیتے ہیں۔

بابُ الحوائجؑ کی بارگاہ میں معجزات

کل بھی تھے آج بھی ہیں اور قیامت تک ہوتے رہیں گے

جناب عباس علیہ السلام سیرت میں، صورت میں، صبر میں، قوت میں شجاعت میں عبادت میں وقار میں۔ رعب و دبدبہ میں گفتار اور رفتار میں بالکل اپنے جدّ بزرگوار امیر المومنین حضرت علیؑ علیہ السلام سے مشابہ تھے۔

امیر المومنین حضرت علیؑ علیہ السلام کی وفات کے بعد جب کچھ لوگ مدینہ اشتیاق زیارت حضرت عباس علمدار کو آئے۔ آپ اس وقت حرم سرا میں تشریف فرما تھے۔ حالانکہ ابھی بچپنا تھا۔ امام حسین علیہ السلام کے حکم سے جب باہر تشریف لائے تو لوگ دس قدم پیچھے ہٹے اور یہ کہنے پر مجبور ہوئے کہ کبھی علیؑ کی جوانی دیکھی تھی خدا نظر بد سے دور رکھے جب یہ جوان ہوں گے تو کس عالم میں ہوں گے آپ اتنے حسین تھے کہ دنیا قمر بنی ہاشم کہنے پر مجبور ہو گئی، اگر جناب عباسؑ معصومۂ عالم بی بی سیدہ کا شیر پی لیتے تو امامؑ ہو جاتے۔ باپؑ نے پورے دس برس خدا کے رسولؐ کے لشکر کی علمبرداری کی لیکن علمبردار نہ کہلائے بیٹے نے کچھ دیر کربلا کے میدان میں فوج حسینیؑ کی علمبرداری کی قیامت کے لئے علمدارؑ مشہور ہو گئے۔

حسینؑ پر فداکاری کا جذبہ:۔ جناب عباسؑ کا بچپن کا زمانہ ہے فرطِ محبت کی وجہ سے جب کبھی امام عالیمقام حضرت حسین علیہ السلام کے ساتھ چلتے تو اُن کے قدموں کی خاک اپنی آنکھوں میں لگاتے۔ مسجد کوفہ کا مشہور واقعہ ہے کہ جناب امیر علیہ السلام تشریف فرما ہیں آپ کے پہلو میں سرکار سید الشہداء حضرت امام حسین علیہ السلام جلوہ افروز ہیں، شہنشاہِ کربلا کو پیاس لگی۔ قنبرؓ سے کہا پانی

لایا حکم ملتے ہی قنبرؓ اٹھے۔ حضرت عباسؑ جن کا اس وقت کم سنی کا زمانہ تھا نزدیک بیٹھے ہوئے تھے قنبرؓ سے مخاطب ہو کر فرمایا۔ قنبرؓ ٹھہرو۔ عباسؑ حسینؑ کے سامنے تشریف لائے ہاتھ جوڑ کر عرض کیا آقا غلام کو کیوں بھلا دیا۔ میں اپنے آقا کے لئے پانی لاتا ہوں۔ فوراً چلے سرد پانی کا جام سر پر رکھ کر خوشی خوشی مسجد کی طرف بڑھے۔ راستہ میں سارا پانی چھلک کر گر گیا۔ سارا جسم پانی سے تر ہو گیا۔ حسینؑ نے عباسؑ کو اس حال میں دیکھا حسرت بھری نظروں سے کہا بھائی عباسؑ آج تو پانی لے آئے ہو مگر ایک دن ایسا آئے گا کہ تم ہماری بچیوں کے لئے پانی لینے جاؤ گے لیکن ہزار کوشش کے باوجود پانی نہ لا سکو گے۔ عباسؑ نے عرض کیا مولا کیا میرے بازو اس وقت سلامت نہیں ہوں گے۔؟

اس ہی طرح کا دوسرا فداکاری کا واقعہ ہے جو جنگ صفین کا ہے۔ کہ حسینؑ امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام خلیفۃ المسلمین کے ساتھ باغیوں سے جنگ کر رہے تھے۔ عباسؑ بھی اس جنگ میں بابا اور بھائی کے ہمراہ ہیں عباسؑ حسینؑ کے دوش بدوش چل رہے ہیں جہاں حسینؑ اور فوج اعداء کے درمیان معرکہ ہوتا ہے۔ عباسؑ دلاور شیر نر کی طرح غیض و غضب کے عالم میں بجلی کی تیزی کے ساتھ صفوں کو چیرتے اپنے آقا حسینؑ اور اس فوج کے درمیان آجاتے ہیں جو سامنے آتا ہے نیزے کی انی سے اٹھا کر زمین پہ گرا دیتے تھوڑی سی دیر میں (۹۰) اشقیا کو فنا کیا فوج اعداء میں کھلبلی مچ گئی۔ جناب عباسؑ فرماتے جاتے تھے کہ میں قمر بنی ہاشم ہوں فرزند حیدرؑ و صفدر ہوں۔ حق شناس ہوں۔ کسی کی جرأت ہے کہ میرے ہوتے آقا حسینؑ کی طرف نظر اٹھا کر بھی دیکھے۔

کفر و ضلالت کی تیز و تند آندھیوں نے اگر شمع رسالتؐ کو بجھانا چاہا تو

یداللہ کا ہاتھ اوپر رہا۔ دشمنانِ خدا اور رسولؐ کی ہر کوشش کو زندگی بھر عباسؑ کے بابا اور ہمارے امیرالمومنینؑ ناکام کرتے رہے۔ اسی طرح باپ کے نقش قدم پہ چلتے ہوئے شمع امامتؑ کے لئے فرزند یداللہ نے ہاتھ اوپہ رکھا۔

یہ شمع امامتؑ اس وقت گل ہو سکتی ہے جب یہ ہاتھ نہ ہوں آپ کے سامنے دنیاوی مثال ہے کہ جب کوئی شخص چراغ روشن کرتا ہے اور اس چراغ کو مکان کے دوسرے حصہ میں لے جانا چاہتا ہے ایسی صورت میں تیز ہوا اس روشن چراغ کو گل کرنا چاہے تو یہ شخص اپنا ہاتھ اس چراغ کی جلتی ہوئی لو پر رکھ لیتا ہے اور اپنی پوری کوشش سے اس جلتے ہوئے چراغ کو بجھنے سے بچا لیتا ہے علیؑ اور ابن علی عباسؑ بالکل اسی طرح ہے۔ یہ شمع رسالتؐ کے پروانے اور عباسؑ شمع امامت کے محافظ دونوں نے اپنی زندگیوں میں رسالتؐ اور امامتؑ کو دشمن اسلام کے شر سے محفوظ رکھا۔ بیٹا تو اس حد تک آگے بڑھ گیا کہ امامتؑ کی حفاظت کرتے ہوئے اپنے دونوں ہاتھوں کو کٹوا دیا۔ اور امامتؑ کی شمع پر جان نثار کر دی۔

حضرت عباسؑ میں علیؑ کے طور طریقہ تھے

حضرت عباس علیہ السلام کا وہی طور طریقہ تھا جو حضرت علی علیہ السلام کا تھا۔ علیؑ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مددگار اور نائب تھے اسی طرح جناب عباسؑ فرزند رسولؐ ثقلین حضرت امام حسین علیہ السلام کے مددگار اور نائب تھے۔ جناب امیر علیہ السلام فقراء و مساکین کو رات کے وقت اپنی پشت پر لاد کر اجناس پہنچایا کرتے تھے۔ اسی طرح جناب

عباسؑ بھی فقرا اور مساکین کی دلجوئی کرتے تھے۔ رسُول خدا تک پہنچنے کے لئے حضرت علی علیہ السلام کا وسیلہ ضروری ہے اسی طرح امام حسینؑ تک پہنچنے کے لئے حضرت عباس علیہ السلام کا وسیلہ چاہیئے۔ اس جگہ ایک واقعہ بیان کرتا چلوں ایک زائر امام حسین علیہ السلام کی زیارت کو جاتا تھا لیکن جناب عباسؑ کی زیارت کو بہت کم۔ اس کو خواب میں جناب سیدہؑ نے بشارت دی کہ تم میرے بیٹے کی زیارت کو نہیں جاتے ہو۔ زائر نے کہا بی بی میں تو ہر روز زیارت سیدالشہداؑ کو جاتا ہوں مجھ سے تو کبھی ناغہ نہیں ہوتا اس پر بی بی نے کہا ہاں تم جاتے ہو لیکن میرے بیٹے عباسؑ کی زیارت نہیں کرتے دیکھا آپ نے اگر کوئی شخص امام عالیمقام کی زیارت کر کے آجائے اور جناب عباسؑ کی زیارت نہ کرے۔ قسم بخدا اس کی زیارت قبول نہیں ہو گی عباسؑ اپنے بزرگوار کی طرح باب الحوائج ہیں۔ یہاں جو بھی آتا ہے مرادیں پاتا ہے جو ان کا نام لے کر منت مانتا ہے۔ اس کی منت پوری ہوتی ہے۔

مظہر العجائب والغرائب حضرت علی علیہ السلام کے اس فرزند ارجمند کے کچھ معجزات اور کرامات بکھرے ہوئے اوراق سے جمع کر کے اس کتاب میں شائع کر رہا ہوں تاکہ منکر معجزات انکو پڑھ کر ایمان لے آئیں اور اہل ایمان ان کے پڑھنے سے اپنے ایمان کو تازہ کریں۔

معجزہ ۱

شاعر اہلبیتؑ قیصر بارھوی کا کھویا ہوا بستہ مل گیا

گود میں فاطمہؑ کی بخشش امت کے لئے

لاش اصغرؑ کی ہے عباسؑ علمدار کے ہاتھ

جناب قیصر بارہوی شاعر اہلبیتؑ حال مقیم لاہور کا ایک عجیب و غریب

تعجب خیز واقعہ کتاب علیؑ علی حصہ دوم صفحہ نمبر ۱۸۱ پر بحوالہ امامیہ جنتری لاہور تحریر ہے کہ ایک دفعہ جناب نیسر بارہوی صاحب لاہور سے ملتان مجلس حسینؑ سے خطاب کے لئے بذریعہ بس تشریف لے جارہے تھے۔ یہ بس بہاول جاکر کھڑی ہوگئی۔ کنڈیکٹر نے سواریوں سے کہا کہ ملتان کی سواریاں اس بس سے اتر کر سامنے کھڑی ہوئی دوسری بس میں آجائیں۔ میں بھی دوسری سواریوں کے ساتھ ملتان والی بس میں بیٹھ گیا۔ اور بس روانہ ہوگئی۔ بس کو چلے ہوئے کئی میل ہوئے ہوں گے۔ کہ مجھکو فوراً خیال آیا کہ میرا بستہ جس میں مرثیوں کی بیاض بھی تھی وہ تو پہلی والی بس ہی میں رہ گیا۔ دل دھک سے ہو گیا۔ اب کیا کریں واپس جاتے ہیں تو بس وہاں نہ ملے یا تھیلا کوئی دوسرا شخص لے گیا ہو۔ اور اب اگر آگے جاتے ہیں تو پھر ملتان میں مجلس کیا پڑھیں گے دل ہی دل میں حضرت عباسؑ علمدار سے مدد مانگی اور کہا مشکل کشاؑ کے فرزند میری مدد کیجئے کہ آپ کے بھائی شہید کربلا کی مجلس پڑھنے جارہا ہوں اور جو کچھ حادثہ ہوگیا اس کی بھی آپ کو خبر ہے۔ مولا عباسؑ مرثیوں کی بیاض آپ ہی عطا کریں گے۔ دل ہی دل میں مولا سے کہہ رہا تھا جس بس میں سفر کر رہا تھا۔ اچانک وہ خراب ہوگئی جسکی وجہ سے ڈرائیور نے بس روک لی اور تمام سواریاں بس سے نیچے اتر آئیں۔ ڈرائیور اور کلینر بس کو ٹھیک کرنے لگے۔ تھوڑی دیر میں خانیوال کی طرف سے ایک بس آئی اور بس سے چند گز کے فاصلہ پر آگے جاکر رک گئی اس میں سے ایک آدمی اترا۔ اور میری بس کے پاس آکر باآواز بلند میرا نام لے کر کہا کہ نیسر بارہوی صاحب کون ہیں میں نے اپنا نام سنا فوراً بول اٹھا میں ہوں۔ اس شخص نے میرا تھیلا مجھ کو تھمایا اور کہا کہ راستہ میں ایک شخص نے مجھکو یہ تھیلا دیا تھا اور بڑی تاکید سے کہا تھا کہ ابھی راستہ میں تمکو ایک بس ایک جگہ کھڑی ہوئی ملے گی اس میں ایک شخص

قیصر بار ہوئی نام کے ہو گئے۔ ان کو یہ تھیلا پہنچا دینا۔ یہ کہکر وہ آدمی اپنی بس میں بیٹھ کر روانہ ہو گیا اور اس شخص کے جاتے ہی ہماری خراب بس بھی ٹھیک ہو گئی اور مسافروں کو بٹھا کر منزل کی طرف روانہ ہو گئی وصلوٰۃ بر محمد وآل محمد علیہ السلام! اس واقعہ نے تو یہ ثابت کر دیا کہ معجزے اب بھی ہوتے ہیں بشرطیکہ آل محمد علیہ السلام سے صدق دل سے رجوع کیا جائے۔

معجزہ نمبر ۲

پاکستانی صحافی کی آپ بیتی۔ جس نے حضرت عباسؑ کی زیارت کی

بحوالہ جنگ مورخہ ۲ اکتوبر ۱۹۸۱ء کالم نگار جناب رئیس اثر ہوی روضہ مبارک حضرت عباسؑ علمدار پر ایک وجدانی منظر۔ ممتاز صحافی جناب اقبال احمد صدیقی ساکن یو کے پلازا فیڈرل بی ایریا سپر ہائی وے کراچی روزنامہ جنگ اور اخبار جہاں کے نمائندے کی حیثیت سے عراق کے دورے پر گئے تھے اس سلسلہ میں ان کو ایک عجیب واقعہ سے دوچار ہونا پڑا۔ لکھتے ہیں کہ عراق میں اکیسواں روزہ تھا۔ پاکستان میں رمضان المبارک کی بیسویں تاریخ ہو گی۔ میں نے شاہراہ سعدون پر واقع ہوٹل دارالسلام کے کمرہ نمبر ۶۰۸ میں وضو کیا کپڑے تبدیل کئے اور کمرہ بند کر کے لفٹ کے ذریعہ نیچے اترا۔ دروازے پر کربلائے معلیٰ جانے کے لئے ایک ایئر کنڈیشنڈ ٹویوٹا کار منتظر تھی میں دو پاکستانی صحافیوں کی رفاقت میں کربلا کی جانب روانہ ہوا۔ عراقی وزارت ثقافت کے ایک نوجوان افسر رہنما کے طور پر ہمراہ تھے۔ عقیدت اور محبت کے جذبات سے دل سرشار تھا ہم پہلے دریائے دجلہ اور فرات کے جدید ترین پل سے گزرے۔ ہمارے رہنما مسٹر علی جو بغداد یونیورسٹی کے گریجویٹ ہیں راستہ میں آنے والے تمام مقامات کے بارے میں معلومات فراہم کر رہے تھے ٹریفک کی

زیادتی کے باوجود ہماری گاڑی پوری رفتار سے رواں دواں تھی۔ السید پل کے بعد عمودیہ اور اسکندریہ نام کی دو بستیاں آئیں۔ پھر کربلائے معلیٰ کے آثار نمودار ہوئے۔ ہم شہر میں داخل ہوئے تو کاروں، بسوں، موٹر سائیکلوں اور پیدل چلنے والوں کا اتنا ہجوم تھا کہ ہماری گاڑی کا گزرنا مشکل تھا۔ بالآخر روضہ مبارک سے دور گاڑی کو کھڑا کیا اور سیدنا امام حسین علیہ السلام کے روضہ مبارک پر حاضری دی۔ پشاور کے روزنامہ جہاد کے ایڈیٹر جناب شریف فاروق اور اخبار خواتین کی نمائندہ خصوصی برائے اسلام آباد مسز تبسم الحق ہمسفر تھیں دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ باب حسین سے اندر داخل ہوئے۔ ہجوم کی وہ کثرت کہ اللہ اکبر جو شان و شوکت اللہ تعالیٰ نے اس مقام متبرک کو عطا کی ہے اس کو لفظوں میں بیان کرنا مشکل اور بہت مشکل ہے۔ زائرین والہانہ انداز میں روضہ امام حسین علیہ السلام کی جالیوں کو بوسہ دے رہے تھے اور رو رو کر دعائیں مانگ رہے تھے عصر کی نماز کا وقت ہو چکا تھا میں نے ساتھیوں سے اجازت لے کر ایک تنگ جگہ بیٹھ کر نماز ادا کی۔ پھر سب کے ساتھ کھڑے ہو کر فاتحہ پڑھنے میں مصروف ہو گیا۔ اس وقت دل اور نظروں کو عجیب قسم کی سرور آمیز ٹھنڈک کا احساس ہو رہا تھا۔ پورا ماحول شفقت اور محبت کی خوشبو سے مہک رہا تھا۔ افطار کا وقت قریب تھا۔ ہماری خواہش تھی کہ دوسرے شہدا کی زیارت سے محروم نہ رہیں ہجوم کے سبب ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑ کر چلنا پڑتا تھا۔ ہم نے حضرت عباس ابن علی علیہ السلام کے روضہ منورہ میں قدم رکھا۔ کیا جاہ و جلال تھا۔ زائرین کے ہجوم سے گزر کر قریب پہنچے تو صدر دروازے پر خوبصورت الفاظ میں کندہ تھا۔

٭

"حضرت امام عباسؑ یا ابا الفضل العباسؑ"

اور آپ کی ضریح مبارک پر السلام علیک عباسؑ یا قمر بنی ہاشم تحریر تھا
ہیبت اور عظمت کے سبب میرا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔ مجھے
محسوس ہو رہا تھا کہ میں اسکول کا کمسن معمولی طالب علم ہوں اور اپنا
ہوم ورک کیے بغیر کلاس ٹیچر کے سامنے آگیا ہوں۔ جہاں مجھ سے میری
کوتاہی پر باز پرس ہو سکتی ہے ہو چا کہ شاید اس ذہنی کیفیت کا سبب
اعصابی دباؤ ہے۔ لیکن جلد ہی محسوس ہوا کہ یہ عذر غلط ہے۔ عباسؑ
علمدار کی پوری زندگی چشم باطن کے سامنے سے گزرنے لگی۔ آپ حضرت
عثمانؓ کی خلافت کے سال اول ۲۶ھ میں پیدا ہوئے اپنے عظیم المرتبت
والد سیدنا علی علیہ السلام کے سایۂ شفقت میں آپ کا بچپن گزرا جنگ صفین
میں زخمیوں کو پانی پلاتے رہے۔ عاشورۂ محرم کو مشکیزہ لے کر فرات پر گئے
تو مشکیزے کو دانتوں سے پکڑ لیا۔ شجاع ابن شجاع لشکر حسینیؑ کے
علمدار کیا ذی جاہ و جلال ہے جو ان کے روضۂ مبارک سے عیاں ہے
بازارِ کربلا میں آئس کریم سے روزہ افطار کیا۔ رات گئے وہاں سے واپسی
ہوئی اپنے ہوٹل میں پہنچا۔ کمرہ بدستور مقفل تھا۔ پروگرام یہ تھا کہ تھوڑی
دیر بعد کمرے میں طعام کیا جاتا ہے۔ دروازے پر جو خود کار طریقہ پر
داخل ہو جانے کے بعد بند ہو جاتا تھا۔ کھٹکا ہوا اور محسوس ہوا کہ کمرے
میں میرے علاوہ کوئی اور بھی ہے۔ کمرہ خوب روشن تھا جھرجھری
آگئی۔ فوراً کوریڈور کی طرف مڑ کر دیکھا۔ ایک صاحب بالکل قریب
آکر واپس جا رہے تھے۔ چھ فٹ سے نکلتا ہوا قد۔ سبز عمامہ۔ سیاہ
خشخشی داڑھی۔ خوب چوڑا سینہ شانے بڑے بڑے سر سے پاؤں
تک مجاہدانہ شان۔ شفاف پیشانی۔ میں اتنا مرعوب ہوا کہ فوراً کمرے

سے باہر آگیا۔ مگر دور تک کوئی نظر نہ آیا۔ دروازہ بند کرکے سیدھا فرسٹ فلور پر ڈرائنگ ہال میں چلا گیا کسی سے کچھ نہ کہا۔ شریف فاروق سے کہا کہ آپ کے کمرے میں چلتا ہوں۔ نماز بھی وہیں پڑھوں گا۔

فضا میں عجیب قسم کی دلآویز مہک تھی جس سے بڑی تسکین ہو رہی تھی۔ کراچی میں ایک صاحب معرفت بزرگ سے اس واقعہ کا ذکر کیا تو کہنے لگے کہ آپ کربلا میں جن بزرگ کے مہمان تھے۔ انھوں نے اپنی حفاظت میں آپ کی قیام گاہ تک پہنچا دیا۔ یہ محض حسن اتفاق ہے کہ آپ نے یہ منظر دیکھ بھی لیا۔

دو مہینے ہوگئے حیران ہوں کہ یہ کیا تھا۔ کوئی نفسیاتی ڈرامہ یا وجدانی نظارہ۔۔۔ اس مقام پر عقل بالکل کام نہیں کرتی۔ اس کیفیت کے متعلق کس سے دریافت کروں۔

معجزہ ۳

ذاکر حسینؑ کی عظمت جناب عباسؑ علمدار کی نظر میں

کہا عباسؑ نے فوجِ عدو سے اب کہاں ہیں وہ
صفوں سے جو نکلتے تھے بہت جرار بن کر
(تمنا مرحوم)

مصنف کتاب سرور المومنین لکھتے ہیں۔ کہ میرے بھائی شیخ جعفر نے بیان کیا کہ ایک مرتبہ وہ ایک سید کے ساتھ کربلا سے نجف اشرف کو جا رہے تھے۔ راستہ میں ایک عالیشان عمارت نظر پڑی جس کے ارد گرد نہایت گنجان درخت پورے سلیقے کے ساتھ لگے ہوئے تھے دل میں سوچنے لگا کہ بارہا اس طرف سے گزر ہوا ہے۔ کبھی اس قسم کا کوئی

مکان اس راہ میں نظر سے گزرا ہی نہیں۔ یہ مکان کیا ہے۔ میں
اسی تردد میں آپس میں باتیں کر رہا تھا کہ ایک بزرگ سامنے
سے نمودار ہوئے اور فرمانے لگے یہ میرا مکان ہے آئیے اور میری
دعوت مہمانی قبول فرمائیے۔ ہم دونوں ان کے ہمراہ داخل خانہ
ہوئے۔ وہ مکان کیا تھا جنت کا نمونہ تھا۔ اس مکان میں راحت
اور آرام کے تمام اسباب موجود دکھائی دے رہے تھے۔ اس مکان
میں ایسی نعمتیں مہیا تھیں جن کو اس سے پہلے میں نے نہیں دیکھا تھا۔
اور نہ کانوں سے سنا تھا۔ اس مکان کے اندر ایسے ایسے باغات تھے
کہ سبحان اللہ۔ باغوں کے درختوں پر طائران خوش الحان اور
مرغان شیریں بیاں چہک رہے تھے۔ نہریں جاری تھیں،
سبزہ لہلہا رہا تھا، درخت بار ثمر سے جھکے ہوئے تھے، پھولوں
کی خوشبو سے دماغ معطر تھے۔ اس عجیب و غریب مکان میں سیر
کرتا ہوا جا رہا تھا کہ اس کے ایک پہلو سے ایک اور شاندار مکان نظر
آیا۔ اُسے دیکھکر میں اور حیران ہو گیا۔ وہ اس خوبی سے بنا ہوا تھا اور
بہت بہترین طریقہ سے آراستہ تھا اس کی توصیف سے میری زبان قاصر
ہے۔

اس میں ایک بزرگوار جن کے چہرے سے عظمت و جلال آشکار
تھا۔ مجھے دکھائی دیئے۔ انھیں میں نے صدر مقام پر بیٹھے دیکھا۔
میں نے آگے بڑھ کر نہایت ادب سے اُن کو سلام کیا۔ انھوں نے
جواب سلام کے بعد اسی سیّد سے جو میرے ہمراہ تھا اور جسے میں
پہچانتا بھی نہ تھا لیکن رفیق سفر ہونے کی وجہ سے میں اس سے مانوس
تھا۔ فرمایا کہ اس شیخ کو خبر کہ آقائے نامدار حضرت سید الشہداء کا ذاکر ہے

فلاں مقام پر لے جاؤ اور اسے آبِ سرد اور طعام لذیذ سے سیراب کردو۔ اور جس چیز کی اسے ضرورت ہو اسے مہیا کردو۔ یہ سنکر وہ سید مجھے ایک مکانِ وسیع میں لے گیا جہاں انواع و اقسام کے کھانے چنے تھے میں نے خوب سیر ہو کر کھایا جب وہ سید مجھے رخصت کرنے کے لئے نادر خانہ میں آیا تو میں نے اس سے کہا۔ تجھے قسم ہے اس عظیم الشان شخصیت کی جو اس مکان کا مالک ہے مجھے بتا کہ یہ کون سا مقام ہے اور یہ مسند نشین صدر خانہ کون ہیں؟۔ اس نے کہا اس مقام کا نام وادیٔ مقدس ہے اور اُن جناب کا اسم گرامی حضرت عباس علیہ السلام اور یہ مکان ان ہی جناب کا ہے۔ یہیں سب شہدائے کربلا جمع ہو کر حضرت امام حسین علیہ السلام کی خدمت میں جاتے ہیں۔ میں نے عرض کی اے سید میں نے بھی سنا ہے اور کتابوں میں بھی پڑھا ہے کہ کربلا میں حضرت عباس علیہ السلام کے دونوں دست مبارک کٹ گئے تھے اس نے کہا بے شک میں نے عرض کیا کہ مجھے رخصت آخری کے بہانے سے انکی خدمت میں لے چلو تا کہ میں حضرت کے دست بریدہ جسم کو بچشم خود دیکھ لوں۔ وہ سید مجھے دوبارہ ان کی خدمت میں لے گیا میں نے جونہی ان کے دست بریدہ جسم کو دیکھا میں بے اختیار رونے لگا اور بے ساختہ یہ اشعار میری زبان پر جاری ہوگئے۔ ترجمہ دشمنوں نے انکے جسم کو تیروں سے چھلنی بنا کر اس شکستہ کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا جسے انھوں نے بڑی مشکلوں سے پُر کیا تھا۔ اس وقت آپ کمال مایوسی کے عالم میں باچشم پُرنم حضرت امام حسین علیہ السلام کو آواز دی۔ اے میرے آقا حسینؑ میری تمام امیدیں خاک میں مل گئیں۔ افسوس میں پانی پہنچانے سے قبل ملک الموت سے ملاقات کرنے پر مجبور ہوگیا تھا" راوی کہتا ہے کہ یہ

سُن کر حضرت رونے لگے اور حضرت عباسؑ علمدار نے فرمایا اے شیخ خدا تم لوگوں کو صبر دے میں نے ان سے زیادہ تکالیف برداشت کی ہیں جن کی تمہیں اطلاع نہیں ہے۔

معجزہ ۲۷

حضرت عباسؑ کی اہم مصیبت اور ایک خواب

پڑھ کے عباسؑ نے سجادہ ادھر بچھوایا
خواب سے بیٹوں کو زینبؑ نے ادھر چونکایا
(آرزو لکھنوی)

کتاب نظلم الزہرا صفحہ ۱۴۰ میں تحریر ہے کہ جب حکیم بن طفیل نے حضرت عباس علیہ السلام کا بایاں ہاتھ قطع کر دیا تو آپ نے علم کو اپنے سینے سے لگایا۔ اسے لکھنے کے بعد مصنف بیان کرتے ہیں کہ مجھ سے عالم جلیل القدر علامہ شیخ کاظم سیتی نے فرمایا کہ ایک عالم دین میرے پاس تشریف لائے اور کہنے لگے میں حضرت عباس علیہ السلام کا سفیر ہوں۔ آپ کی طرف بھیجا گیا ہوں میں نے پوچھا کیا پیغام لائے ہو۔ فرمایا مجھ سے حضرت عباس علیہ السلام نے خواب میں فرمایا کہ میں آپ کے پاس جاؤں اور یہ کہہ دوں کہ آپ حضرت عباس علیہ السلام کے مصائب مجالس میں بہت کم پڑھتے ہیں۔ اس کے بعد اس عالم سفیر نے کہا کہ میں نے حضرت عباسؑ کے اس فرمانے پر عرض کی مولا میں تو خود کئی دفعہ ان کی مجالس میں شرکت کر چکا ہوں میں نے خود سُنا ہے کہ یہ عالم مجالس میں آپکا ذکر کرتے ہیں اور مصائب بیان کرتے ہیں اس پر جناب عباسؑ علمدار نے کہا کہ یہ ٹھیک ہے لیکن وہ میری اس عظیم مصیبت

کو بیان نہیں کرتے جب کوئی سوار زخموں کی تاب نہ لاکر اپنے گھوڑے سے زمین کی طرف گرتا ہے تو زمین پر پہنچنے میں اپنے ہاتھ کا سہارا لیتا ہے لیکن وہ مظلوم کیا کرے جسکے سینے میں تیر چھبے ہوں اور دونوں ہاتھ کٹے ہوں وہ زمین پہ گرتے وقت کس چیز کا سہارا لے سکتا ہے۔"

اس خواب سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عباس علیہ السلام نے گھوڑے سے گرتے وقت اپنے ہاتھوں کو سہارے سے محروم پاکر انتہائی صدمہ میں پایا اور اس مصیبت کو علیؑ کے شیر دلاور نے بہت محسوس کیا ہے۔

(میرا مقصد صرف اور صرف یہ ہے کہ ذاکرین صاحبان جب حضرت عباس علیہ السلام کے مصائب بیان کریں تو مصائب کے اس ٹکڑے کو ضرور بیان کریں۔)

معجزہ ۵

بجلی کے کرنٹ سے مرجانے والا بچہ زندہ کر دیا

شوکتِ رایت سلطانِ مدینہ دیکھو
ہے وہ پرچم سے بندھی مشکِ سکینہؑ دیکھو

عالیجناب مولانا علی اختر صاحب امروہوی کسی تعارف کے محتاج نہیں ہیں جنابِ والا کئی عدد کتابوں کے مصنف بھی ہیں ۱۹۵۲ء میں زیارت سید الشہداء حضرت امام حسین علیہ السلام کو معہ اپنے اہل خاندان کے ساتھ تشریف لے گئے۔ ان کے ہمراہ ان کا پوتا جس کا نام حسن عباس ہے وہ بھی شریکِ سفر تھا۔ دوران قیام کربلائے معلّی ان کے اس پوتے کے ساتھ ایک عجیب واقعہ پیش آیا۔

جس کو جناب اختر علی صاحب نے حضرت عباس علیہ السلام کے معجزے سے تعبیر کیا ہے اس پورے معجزے کو آپ نے کتاب زائر حسینؑ کا روزنامچہ" صفحہ نمبر ۱۲۵ تا

۱۳۰ میں تحریر کیا ہے کہ " ۲۹ مئی ۱۹۵۲ء ۱۴ر شعبان جمعہ آج کربلائے معلّٰی
کے ہر گلی کوچہ میں بھیڑ بڑھ رہی ہے سڑکیں مسلسل پیدل آنے والے زائرین سے یا
اُن کے لانے والے موٹر گاڑیوں سے بھری ہیں۔ روضہ جات ہیں اور عمارات
مثلاً خیمہ گاہ وغیرہ میں بڑے بڑے وسیع صحن دریچیاں دالان ہر ہر جگہ مقامات
کے آئے ہوئے قافلوں سے بھر چکے ہیں اب ان مقامات میں آمد و رفت دشوار
ہے۔ چونکہ ہر آنے والے کا مقصد حاضری حرم مبارک و زیارت ضریح مقدس
ہوتا ہے۔ لہٰذا حرم کا مجمع بہت اور محدود جگہ ہونے کی وجہ سے بے حد کشمکش ہوتی
ہے۔ صبح سے گھر ہی میں تھا۔ یہ پروگرام بنایا کہ آج شب اعمال و عبادات اپنی قیام
گاہ پر کئے جائیں گے اور آخری حصّہ شب میں سب عورتوں اور بچوں کو ساتھ لے
کر مشرف بہ زیارت ہوں گا۔ اس وقت بھیڑ کم ہونے کا خیال تھا گزشتہ رات
چونکہ شب جمعہ بھی کم خوابی کی وجہ سے اس وقت طبیعت کسلمندی تھی بیٹھے
لیٹے رسالہ نور کراچی کا آیا ہوا تھا۔ پڑھتے پڑھتے سو گیا تقریباً دس بجے دن کا وقت
تھا۔ دوسرے متصل کمرہ میں میری اہلیہ اور بہو وغیرہ تھے۔ یکایک ایک شور و غل
کی آواز نے مجھے خواب سے چونکا دیا۔ دیکھتا ہوں کہ میری اہلیہ اور ان کے پیچھے
پیچھے میری پوتی صادقہ اختر سلمہا روتی پیٹتی فریاد کناں دوسری جانب اسی
عمارت میں بھاگی جا رہی ہیں۔ میں گھبرا گیا۔ استفسار حال کرتا ہوا پیچھے دوڑا
اس نے بتلایا کہ اس کا چھوٹا بھائی حسن عباس سلمہٗ گلی والے کمرہ میں بجلی کے تار
سے لپٹ کے بے ہوش ہو گیا ہے۔ اس خبر نے دماغ کو بے کار کر دیا۔ افتاں و خیزاں
اس کمرہ میں پہنچا۔ اس کمرہ میں ایک کھڑکی ہے جس پہ لوہے کی سلاخوں کو موڑ کر
ایک بارجہ بنایا گیا تھا اسی جگہ بجلی کا تار گلی کی مین لائن میں دوڑا ہوا ہے یہ بچہ
اسی کمرہ میں گیا اور صادقہ اس کی بہن بھی اسی جگہ تھی۔ میرے دن کے آرام کے لئے
اسی خالی کمرہ میں ملازم نے بستر کر دیا تھا کیونکہ آج مسافر خانہ کی عمارت میں بہت

زیادہ مجمع مسافر زائروں کا ہو گیا تھا۔ یہ جگہ علیحدہ اور خاموش تھی۔ بچوں نے یہاں
نئی جگہ آکر دیکھ بھال شروع کر دی۔ صاحبزادہ حسن عباس سلمۂ نے جس کی عمر آٹھ سال
کی ہے) اس کھڑکی کے آہنی کٹہرے پر کھڑے ہو کر بجلی کے تار کو پکڑ لیا۔ اسے سی
کرنٹ کی بجلی مین لائن بچہ تب بے اختیاری طور پر تار کو پکڑا بجلی کا جو کام تھا
اس نے کیا۔ یہ اسی تار میں لٹک کر بے حس و حرکت رہ گیا۔ میں نے جس حال میں
اسکو پایا۔ خدا کسی دشمن کو بھی اس کی اولاد کا یہ منظر نہ دکھلائے۔ بنکا ڈھلا ہوا اور
شد نفس کا نام نہیں۔ اس تار میں اس حالت سے لپٹے اور لٹکتے تقریباً دس منٹ
گزر چکے تھے میں نے پہنچتے ہی اس کو گود میں لیا اور انگلیاں ہاتھ کی جو تار میں متصل
تھیں اور اسی سے بجلی اپنی قوت میں اس کو جذب کئے لٹکائے ہوئے تھی۔ تار سے
چھڑا کر علیحدہ اسی جگہ فرش پر بیٹھ گیا۔ اور میری زبان سے مسلسل یہ فریاد جاری تھی کہ
ابوالفضل العباس میرے اس بچے کو مجھے واپس دلوا دیجئے اور یہ فقرہ اس یقین کے
ساتھ میرے منہ سے نکل رہا تھا کہ میں محض جسد خاکی کو گود میں لئے بیٹھا ہوں۔
چاروں طرف مرد عورت اپنے پرائے گھیرا ڈالے میرے ساتھ ہم آواز فریاد و دعا کر رہے
تھے۔ گھبراہٹ و پریشانی کے عالم میں کچھ لوگ ڈاکٹر کو بلانے بھاگے ہوئے گئے۔
اس بچہ کے باپ صاحبزادہ اختر عباس سلمہ اللہ تعالیٰ مکان کے زیریں حصہ میں
بیٹھے ہوئے اپنے استاد عالیجناب ڈاکٹر سید جعفر حسین صاحب ڈی۔ لٹ
سے باتیں کر رہے تھے ان تک خبر پہنچی اور وہ لوگ بھی بدحواس میرے پاس
پہنچ کر شریک حال ہو گئے۔ میری اہلیہ بلا کسی اطلاع کے پہلے ہی اس بچے کو لٹکا ہوا
دیکھ کر بے تحاشہ حواس باختہ تنہا حرم مبارک سید الشہداء امام حسین علیہ السلام
میں فریاد کناں پہنچ گئیں۔ مجمع کی کثرت سے ضریح مبارک کے پاس نہ جا سکیں۔
تو جناب ابن حبیب مظاہر کی ضریح کے پاس رواق میں بیٹھ گئیں اور مولا سے
رو رو کر اپنی فریاد کہنے لگیں۔ گرد و پیش عربی و عجمی عورتوں نے انکی سراسیمگی سے متاثر ہو کر

استفسار حال کیا اور سب نے رو رو کر ان کی فریاد و دعا میں شرکت کی اسی حالت میں اس بچہ نے میری گود میں (جسکو میں مردہ کی حیثیت سے لئے پندرہ منٹ سے بیٹھا تھا اور پانی چھڑکتا تھا) زندگی کے آثار ظاہر کئے۔ ہونٹوں پر خفیف سی حرکت معلوم ہوئی۔ پانی کے قطرات ٹپکائے۔ آنکھوں میں بھی حرکت محسوس ہوئی۔ ہماری فریاد مسلسل جاری تھی۔ رفتہ رفتہ آنکھیں کھولیں۔ مگر چہرے کا رنگ سفید آنکھوں سے انتہائی ضعف ظاہر ہوتا تھا۔ میری آواز پر حواس مجتمع کرکے نقاہت و اشارہ سے جواب دیا۔ سب لوگ متحیر ہو کر درود سلام پڑھنے لگے (صلوٰۃ بر محمدؐ و آل محمدؐ) اس بچہ کی ماں بالا خانے پر روضہ مطہر جناب سید الشہداء علیہ السلام کے سامنے رخ کئے سر برہنہ مصروف فریاد و فغاں تھی۔ میں نے اسکو بلایا کہ آئے اور اپنے لخت جگر کو لے اور اپنے مولا کی فریادرسی کا کرشمہ دیکھے۔ آئی اور بے تابانہ اپنے نور نظر کو کلیجہ سے لگا کر رونے لگی۔ اسی حالت میں ڈاکٹر قریشی صاحب تشریف لائے انھوں نے آلہ لگا کر قلب کی حرکت دیکھی نبضیں دیکھیں اور مجھ سے کہا کہ بچہ بفضلہ خطرہ سے باہر ہے۔ مختصر یہ کہ ڈاکٹر صاحب کو رخصت کرکے ہم اس عطیۂ ابوالفضلؑ العباسؑ کو گود میں لئے دوسرے کمرے میں چلے آئے جہاں مجمع سے الگ ہو کر اس کو آرام کرنے کا موقع دیا۔ کئی گھنٹہ خاموش پڑا رہا نہ کچھ کھانے پینے کی رغبت نہ بات کرنے کی طاقت ہاتھ کی انگلیوں سے جو بجلی کے تار لپیٹے تھے۔ چھالے پڑ گئے تھے۔ کپڑے اس کے بدلتے ہوئے ظاہر ہوا کہ پیر کے تلوے میں بھی ایک بڑا چھالہ قریب تین انچ کا پڑ گیا ہے۔ اس کی کوئی وجہ ذرا بھی سمجھ میں نہ آئی۔ سہ پہر کو اس نے پھلوں کا عرق۔ دودھ برف کے ساتھ پیا اور چہرہ پر بحالی آگئی۔ رات کو صحتمندانہ انداز میں آرام کیا۔ ہم لوگ نہایت سکون و آرام سے تمام شب اعمال نیمہ شعبان بجا لائے۔ اور عبادت الٰہی میں مصروف و مشغول رہے اور شکر خدا و رسول بجا لائے (اللّٰھم صلی علی محمد و آل محمد) تین بجے رات کو معہ اپنی اہلیہ کے

کے حرم مبارک میں حاضر ہوا خیال تھا کہ مجمع اس وقت کم ہو گا مگر اس وقت بھی بہت بڑا ہجوم ہے۔ تمام عمارت صحن و دالان میں مجمع ہی مجمع ہے علی الخصوص اندر حرم ضریح اقدس کے ایک اژدہام زائرین کا۔ جدھر دیکھو لوگ مصروف طواف یا عبادت ہیں۔ کسی نہ کسی طرح اندر حرم مبارک پہنچ کر اس غیب کے مخصوص اعمال و زیارات وغیرہ پڑھ کر ایک گوشہ میں علیحدہ بیٹھ کر مقصدِ حسینی کی ابدی کامیابی کا یہ منظر دیکھتا رہا کہ رات کے چار بجے ہیں لوگ اس آستانہ پر اپنے دل کی مرادیں مانگنے چلے آرہے ہیں۔ اور یزید لعین کا نہ نام ہے اور نہ نشان۔

حقا کہ بنائے لا الہ است حسینؑ

اب اس واقعہ کے متعلق ارباب بصیرت ناظرین کو دعوت غور و فکر دیتا ہوں۔ قارئین کی خدمت میں عرض ہے کہ معجزہ کی تعریف یہ ہے کہ نظام فطرت کے تحت جو افعال و خواص ہر شئے کے ایک مقررہ اصول و عادات کے پابند ہیں اُس کے خلاف بلا کسی خارجی مداخلت کے اس کا اثر یا نتیجہ ظاہر ہو۔ مثلاً آگ کا کام جلانے کا ہے۔ پانی کا کام ڈبونے کا ہے اسی طرح بجلی کا کام سکنڈ سے بھی کم وقفہ میں اپنے معمول کو فنا کر دینے کا ہے۔ چنانچہ اس واقعہ میں بھی بجلی نے اپنا کام کیا۔ حسن عباس نے بجلی کے تار کو ہاتھ سے پکڑا اس نے فوراً ہی اپنی طاقت میں اسکو جذب کر لیا اور یہ لپٹ کر رہ گیا۔ لوہے کی سلاخوں کے کٹھہرے پر ننگے پیر کھڑا تھا۔ بجلی کی قوت ہاتھوں سے پاس ہوتی رہی اور نیچے پیروں کے لوہے کو جلاتی رہی۔ جس کے گرم ہو جانے سے اس کا پیر اچھا خاصا جل گیا۔ تین ہفتہ مسلسل زخم کا علاج ہوتا رہا۔ پھر ٹھیک ہو گیا۔ کوئی برقی چیز برقی قوت اور اس کے جسم میں اتصال میں ایسی حارج نہ تھی جو بجلی کے کرنٹ کے لئے رکاوٹ کا باعث بنتی۔ دس منٹ کے وقفہ تک عامل و معمول ایک دوسرے سے متصل و البتہ رہے۔ کہا جاتا ہے کہ اگر ایسی حالت میں معمول سے

کوئی دوسرا انسان لپٹ جاتا ہے تو وہ بھی اسی بجلی کی زد میں آجاتا ہے
اب اس واقعہ پر غور کرتا ہوں۔ تو پہلی بات خرق عادت کی یہی ہے کہ
میں نے بلا کسی خیال و احتیاط کے بچہ کو گود میں سنبھالا۔ اپنے ہاتھوں سے اس
کی انگلیاں تاروں سے چھڑائیں اور اسی جگہ فرش پر اس کو لئے ہوئے بیٹھ گیا
مگر مجھ کو کوئی اثر بجلی کا محسوس نہ ہوا۔

دوسری بات قابل غور یہ ہے کہ اس عالم بے ہوشی و بے حسی میں
جو تقریباً ۱۵۔ بیس منٹ تک بچہ پر میری گود میں گزری دو حال سے یہ بات
خالی نہیں ہو سکتی۔ پہلی بات یہ کہ وہ مر چکا ہے جیسا کہ میرا یقین تھا اور یہ
یا وہ زندہ تھا لیکن بظاہر مردہ تھا۔ اگر زندہ تسلیم کر لیا جائے تو خرق عادت
میں یہ جز واقعہ ضرور تسلیم کرنا پڑے گا کہ برقی قوت نے اپنے معمول پر کم سے
کم دس پندرہ منٹ کے اتصال کے باوجود کوئی اثر نہیں کیا۔ یا اثر کیا بھی تو
اتنا ناقص و کمزور جس کی کوئی وجہ عقل میں نہیں آسکتی۔ بجز اس کے کہ کسی بالاتر
طاقت نے بجلی کے اثر کو کمزور بنا دیا۔ اور بس یہی تصرف روحانی علمدار حسینیؑ
حضرت عباس علیہ السلام کا ہے جن کو ہم رو رو کر دل کی آواز سے پکار رہے
تھے اور ہمارے ساتھ یہاں سے حرم مبارک سید الشہداء تک سینکڑوں اور
ہمارے ہم آواز تھے۔

دوسری بات یہ کہ بجلی نے اپنا کام کیا بچہ کی روح قفس جسدی سے علیحدہ
ہو چکی تھی علی مرتضیٰ علیہ السلام کے فرزند سید الشہداءؑ کے قوت بازو ہمارے
فریاد رس ابو الفضل العباسؑ نے اپنی اعجازی طاقت سے ارضائے الٰہی
حاصل کرنے کے بعد دوبارہ خلعت حیات اس بچہ کو عطا کر دی۔ زائر
حسینؑ کو مبتلا مصیبت نہیں ہونے دیا بہر صورت یہ واقعہ اپنی جگہ پر اعجازی
اور معجزاتی حیثیت رکھتا ہے جسکو عراق میں موجود ہزاروں لوگوں نے اپنی آنکھوں

لختِ دل و جگر عطیہ ابوالفضل العباسؑ
حسن عباس سلمہ اللہ تعالےٰ

دیکھا ہے۔

نوٹ:- (حسن عباس سلمہٗ کی تصویر شائع کی جا رہی ہے)

معجزہ ۶

شاہِ ایران موت کے منہ سے بچ گیا۔

عباسؑ جھومنے لگے دریا کو دیکھ کر اکبرؑ شگفتہ ہو گئے صحرا کو دیکھ کر

شاہِ ایران رضا شاہ مرحوم جو ایران کا فرمانروا تھا اپنے دورِ حکومت کے حالات کو کتاب "شاہ کی شاہ بیتی" میں تحریر کیا ہے اس کتاب میں جہاں دیگر حالات کا تذکرہ کیا ہے وہاں چار معجزوں کا بھی ذکر کیا ہے۔ ان معجزات میں سے ایک معجزہ جناب عباسؑ علمدار کے نامِ نامی سے منسوب ہے۔ شاہِ ایران رضا شاہ کہتا ہے کہ وہ اپنے دورِ اقتدار کے زمانہ میں ایک دفعہ امام زادہ داؤد کے مزار پر زیارت کی غرض سے جا رہا تھا جو ایک پہاڑ کے اوپر واقع ہے۔ جب ہم پہاڑی پر پہنچے تو چڑھائی کے دوران ہم اپنے گھوڑے سے گر پڑے اور نیچے چٹانوں پر آ پڑے۔ یہ منظر دیگر لوگوں نے بھی دیکھا وہ سب یہ سمجھے کہ رضا شاہ پہاڑ سے گرتا ہوا نیچے چٹانوں پر جائے گا اور اس کے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں گے۔ آپ کو کیا بتاؤں مجھکو تو خراش تک نہیں آئی واقعہ یہ ہوا کہ ہم جیسے ہی گھوڑے سے گرے مجھکو جناب عباس علیہ السلام نے معجزہ کے طور پر سہارا دیا اور بڑے آرام اور اطمینان سے ایک چٹان پر روک دیا۔ اس طرح میری جان بچ گئی۔

(بحوالہ کتاب شاہِ ایران کی شاہ بیتی صفحہ نمبر ۷، ۳۔ اردو ترجمہ۔ ناشر مکتبہ شاہ کار نیو کراچی)۔

معجزہ ۷

نمک صحرا کے ریت میں تبدیل ہو گیا۔

علیؑ کا دبدبہ، جعفرؑ کی سطوت، عزمِ شبیریؑ
رہیں گے خاک رو باہوں سے یہ مشک و علم والے
(محسن اعظم گڑھی)

ترکوں کی حکومت جب عراق پر تھی یہ واقعہ اس زمانہ کا ہے۔ کہ ان دنوں نمک کی برآمد پر غیر معمولی ٹیکس لیا جاتا تھا۔ ایک غریب عرب نمک لے کر کسی دوسرے ملک سے عراق آیا۔ چونگی کے افسروں اور سپاہیوں نے اس غریب عرب کو تنگ کرنا شروع کر دیا۔ اسی دوران یہ روضۂ ابوالفضل العباسؑ تک باتوں باتوں میں پہنچ گیا۔

عرب نے نمک کو حضرت عباس علیہ السلام کی ضمانت میں دے دیا۔ اور سپاہیوں سے کہا کہ اس کو اتار کر دیکھو۔ سپاہیوں نے نمک اونٹوں سے اتارا تو کیا دیکھتے ہیں کہ تھیلوں میں ریت کی ریت بھری ہے سپاہی یہ دیکھ کر بہت شرمندہ ہوئے اور اس غریب عرب کو چھوڑ دیا اور وہاں سے چلے گئے۔ سپاہیوں کے جاتے ہی نمک اصلی شکل میں آگیا۔ اس واقعہ کی شہر عراق میں کافی شہرت ہوئی۔
اس محل پر ابراہیم خلیلؑ اللہ یاد آتے ہیں جن کے لئے ریگِ صحرا آٹا بنگئی تھی۔ وہ نبی تھے اور یہ علمدار سبطِ رسولؐ (بحوالہ کتاب العبد الصالح از مولانا آغا مہدی لکھنوی)

معجزہ ۸

حضرت عباسؑ کی جھوٹی قسم کھانے والے کو فوراً سزا ملی

علم عباسؑ کا دل سے لگائے جس کا جی چاہے
لہو میں ڈوب کر بھی مسکرائے جس کا جی چاہے
(فضل لکھنوی)

بحوالہ کتاب سفینہ حیات صفحہ نمبر ۲۴۲ جلد ایک کے حوالہ سے مولانا آغا مہدی لکھنوی نے حضرت عباس علمدار کا ایک معجزہ تحریر کیا ہے کہ ۱۲ مارچ ۱۹۴۲ء کا واقعہ ہے کہ کچھ لوگ ایک عرب کو حرم حضرت عباس علیہ السلام میں لائے اور کہا کہ تم اب حضرت عباس علیہ السلام کی قسم کھا کر کہو تم نے ایک دینار نہیں لیا ہے۔ اس شخص نے قسم کھائی کہ میں نے ایک دینار نہیں لیا۔ اس ہی وقت ایک زور دار طمانچہ اس کے منہ پر پڑا سارے لوگ حیران رہ گئے جھوٹی قسم کھانے کی سزا فوراً مل گئی۔ اور بحالت خراب اس شخص کو روضہ مبارک سے نکال دیا گیا۔ اس قسم کا انتباہ بالکل برمحل ہے اگر صاحب مزار کی طرف سے چشم پوشی ہو تو وقار شہدا ر گھٹتا ہے اور بڑھتی ہوئی جرأت سے نظام زندگی ...... پیدا ہوگا اور حرمت بھی برباد ہوتی ہے۔

معجزہ ۹

علم مبارک حضرت عباسؑ علمدار کا معجزہ

بھائی نے جس کے دے کے علم جوش جنگ میں
اتنا کیا بلند کہ طوبیٰ بنا دیا

(مولانا قیس زنگی پوری)

بھرت پور مشرقی راجپوتانہ بھارت میں ایک ریاست ہے۔ یہاں پر جاٹ خاندان کی حکومت تھی۔ مسلمان بہ اعتبار قابلیت اعلیٰ اور ذمہ دار عہدوں پر فائز تھے خصوصاً سادات کو یہاں لوگ بڑی عزت اور احترام کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ ایک دفعہ پوری ریاست میں ایک آفت اور مصیبت نازل ہوگئی جس نے ریاست کے تمام باشندوں کو پریشان کر دیا۔ یہ آفت سادات کی وجہ سے دور ہوگئی جب سے سادات کی عزت میں اور اضافہ ہوگیا۔ واقعہ کچھ اس طرح ہے۔

برسات کے پورے موسم میں بارش نہیں ہوئی

۱۹۲۷ء کا واقعہ ہے کہ ریاست کھڑ تپور میں برسات کے پورے موسم میں
بارش نہیں ہوئی جس کی وجہ سے باشندگان ریاست قحط کے خطرے سے سخت پریشان ہو
گئے۔ اہل ہنود نے ریاست کے اخراجات پر موق ؍ ہندوؤں کی دعا کرائی لیکن
نہ ایک قطرہ بارش ہونا تھی نہ ہوئی۔ اس کے برخلاف سبز رنگ کے ٹڈے فضا اور زمین
پر نظر آئے۔ ہندو مذہب کی ایک مخصوص عبادت اور شب بیداری (اکھنڈ کیرتن)
بھی مسلسل تین شب و روز جاری رہی اور راجہ اندر کو جو اہل ہنود کے مطابق
مطابق بارش کا دیوتا ہے بید مارے گئے۔ لیکن تمام کوششیں بے سود ثابت
ہوئیں۔ مایوسی ان کے چہروں سے آشکار تھی۔

بارش کے لئے مخصوص عبادت (نماز استسقاء) لیکن بے سود۔

اسی طرح ریاست کے اہل سنت حضرات نے نماز جمعہ کے بعد بارش کے لئے دعائیں
مانگیں اور عیدگاہ میں نماز استسقاء ادا کی لیکن کوئی نتیجہ برآمد نہ ہوا۔

جلوس علم حضرت عباسؑ علمبردار

آخر کار اہل تشیع حضرات نے ریاست کے صدر مسٹر ہین کاک سے جلوس
علم مبارک حضرت عباس علیہ السلام کربلا لے جانے کی اجازت چاہی۔ جو منظور ہوئی
لہٰذا ۲۹؍ اگست مطابق ۱۱ جمادی الثانی ۱۳۵۶ھ کو یکشنبہ تھا۔ چلچلاتی دھوپ اور جھلسا
دینے والی لو چل رہی تھی۔ پنڈتوں اور جوتشیوں نے ۲۹؍ اگست کے متعلق پیشگوئی کی تھی
کہ اس دن بارش کا قطعی امکان نہیں ہے اسی لئے شہر کے تمام شیعہ حضرات نے
محلہ گھر سید صاحب محلہ بیدہ کی ہاٹ اور محلہ ندیا سے دن کے دو بجے حضرت عباس
علمدار کا علم جلوس کی شکل میں برآمد کیا اور کربلا کی جانب جو شہر سے تین میل کے
فاصلہ پر واقع تھا روانہ ہوئے جلوس کے شرکاء نوحہ خوانی کرتے سینہ زنی کرتے ہوئے

اور بازار کے مخصوص مقامات سے گزرے جب جلوس شہر پناہ کی حدود سے نکل گیا تو باد مخالف شدت سے چل پڑی۔ لو کے تھپیڑوں نے شدت اختیار کرلی لیکن اہل جلوس بے نیازی کے ساتھ ماتم کرتے ہوئے کربلا کی سمت رواں تھے۔ اس طرح یہ جلوس کربلا میں شام کے چھ بجے پہنچ گیا۔

جب تک بارش نہیں ہوگی۔ ماتم نہیں ختم نہیں ہوگا

جونہی جلوس کربلا پہنچا۔ ہوا رک گئی۔ ماتمی دستہ اس مقام پر جہاں تربتیں دفن ہوتی تھیں جمع تھا۔ اور نصف گھنٹے سے ماتم حسین علیہ السلام میں مشغول تھا۔ ہائے عباسؑ یا عباسؑ کی صدا سے کربلا کی زمین لرزہ براندام تھی۔ معززین نے اعلان کیا کہ جب تک بارش نہیں ہوگی ہم سیدہؑ کے لالؑ کا ماتم اسی طرح کرتے رہیں گے اور ماتم کو ختم نہیں کریں گے۔

باران رحمت۔

بزرگ حضرات دعاؤں میں مشغول تھے جوان ماتم کر رہے تھے کہ یکایک بھرتپور کے شمال میں بھورے رنگ کی گھٹا نظر آئی اور چشم زدن میں پوری ریاست پر محیط ہوگئی اور موسلا دھار بارش شروع ہوگئی۔ یہ نظارہ قابل دید تھا۔ جتنی شدت سے بارش ہورہی تھی۔ مومنین اسی جوش و عقیدت کے ساتھ ماتم کر رہے تھے یہ بارش اس قدر خنک اور سرد تھی کہ بہت سے بچے اور ضعیف العمر شخص اس کی تاب نہ لاسکے۔ اور کانپنے لگے۔ ہر چہار طرف پانی ہی پانی تھا۔ جے ایچ انفنٹری کے افسران نے جو کوٹھی موتی جھیل میں مقیم تھے۔ متاثرین کو کمبل اور آگ فراہم کی اور انھوں نے واضح الفاظ میں کہا کہ شیعوں کے دیوتا کائنات پر پورا پورا تصرف رکھتے ہیں کیونکہ وہ خدا کے بزرگ و برتر کے مطیع اور اس کے احکامات کی پوری پوری پابندی فرماتے تھے اور اپنی زندگیاں اس کی راہ میں قربان کردی ہیں۔

بارش ختم ہونے پر جلوس کربلا سے واپس ہوا تو شہر کی سڑکوں پر اب بھی پانی بہہ رہا تھا

دوکاندار بلالحاظ و مذہب و ملت شکار جلوس کو شہر میں داخل ہوتے ہوئے دیکھ کر دوکانوں سے اتر پڑے اور ایک ہندو بنیئے نے دوسرے بنیئے سے باآواز بلند ہو کر کہا لالہ دیکھ یہ ہیں جو پیاسے بے پانی مانگنے گئے تھے اور پیاسے نے بھی پالیسا پتوں دھار پانی برسایا کہ مچا آگیا۔ اور وہ شیعوں کے اماموں کی عظمت و اختیار کے قائل ہو گئے۔ اس سال میں صرف یہی ایک بارش ہوئی جو پورے سال کی ضرورت کے لئے کافی ثابت ہوئی اور ریاست کو قحط سے بچالیا۔ صدر ریاست مسٹر ہین کاک اور والی ریاست مہاراجہ برج اندر سنگھ اور اُنکی حکام بہت متاثر ہوئے اور بارش کی برکت کے لئے شیعہ حضرات کے ممنون ہوئے۔

دوسرے دن شیعہ حضرات نے بڑی زبردست کربلا میں مجلس منعقد کی جس میں تمام شہر کے لوگوں نے شرکت کی۔ یہ بھی غازی عباسؑ علمدار کی غیبی مدد جس نے ریاست میں شیعوں کی عزت رکھ لی دصلوٰۃ محمد و آل محمد علیہ السلام پر دبحوالہ کتاب تاریخ ظلم گنج شہیداں صفحہ نمبر ۲۰ تا ۲۲ از فیض بھرت پوری)

معجزہ نمبر ۱۰

ترکی فوج کے سپاہی کو اس کی گستاخی کی سزا فوراً ملی

بازو جو کٹ گئے ہیں تو عباسؑ ہیں نڈھال
آنکھیں ہیں بند مشک کا تسمہ دہن میں ہے

(عبدالودود شمس)

جناب آغا مہدی صاحب قبلہ اپنی کتاب سوانح حضرت عباسؑ علمدار صفحہ ۲۵۱ میں تحریر فرماتے ہیں کہ ان کے چچا عالیجناب سید ابوالحسن صاحب پرنسپل مدرسۃ الواعظین لکھنؤ نے کربلائے معلّٰی کا ایک واقعہ بتایا کہ ۱۳۲۶ھ کے حدود

میں ترکی کی فوج عراق میں آئی۔ ایک فوجی آلات حرب کے ساتھ روضہ امام حسین علیہ السلام میں داخل ہونے لگا۔ خداموں نے منع کیا کہ آپ یہ ہتھیار اتار دیجئے۔ پھر روضہ کے اندر جائیے۔ لیکن یہ سپاہی نہ مانا۔ بلکہ ہتک آمیز الفاظ میں کچھ فقرے ادا کئے۔ جس کا مطلب یہ تھا کہ صاحبان مزار مشت خاک ہیں اور رعب کے ساتھ روضہ امامؑ عالی مقام میں داخل ہوا۔ ابھی وہ دروازے کے اندر داخل ہی ہوا تھا کہ اس مغرور شخص کے منہ پر ایک زوردار طمانچہ پڑا جس سے اس کا منھ پھر گیا اور جو پستول کمر میں وہ لگائے ہوئے تھا اس سے از خود گولی چلی۔ گولی کی آواز نے ہنگامہ برپا کر دیا۔ یہ سپاہی زخمی ہو کر زمین پر گرا لوگ اسکو اٹھا کر حرم سے باہر لے گئے۔ اس وقت خون اس کے جسم سے جاری تھا اور تھوڑی دیر کے بعد واصل جہنم ہو گیا۔ اس کی موت پر خدام اور اہل علم کو حیرت تھی کہ امامِ مظلوم کے روضہ میں ایسا پر ہیبت واقعہ کبھی ظاہر نہیں ہوا۔ اسی دن شب میں خداموں اور عالم وقت کو بشارت ہوئی کہ وہ بے ادب سپاہی حرمِ مبارک میں داخل ہو رہا تھا اس وقت بھائی کی خدمت میں بھائی حاضر تھا۔ یعنی مولا عباسؑ روضۂ مبارک امام حسین علیہ السلام پر حاضری دینے آئے ہوئے تھے۔ آپ اس کی گستاخی برداشت نہ کر سکے فوراً اس کو اس کی نازیبا حرکت پر سزا دے دی۔ بھائیوں ہمکو معلوم ہونا چاہیئے کہ واقعۂ کربلا کے وقت ناصران حسینؑ نے کبھی دشمن کو امامؑ عالیمقام کی خدمت میں آلاتِ حرب کے ساتھ آنے کی اجازت نہیں دی تھی۔ جب کبھی کوئی شخص امامؑ کے پاس آتا تھا تو یہ جاں نثار فوراً اسکے ہتھیار اس کے جسم سے جدا کر دیتے تھے پھر کہیں جا کر وہ شخص امامؑ کی خدمت میں حاضر ہو سکتا تھا۔ بھلا آج عباسؑ اس روایت کو کس طرح توڑ دیتے جب کہ آپ مظلوم کربلا کے روضہ میں زیارت امامؑ لئے آئے تھے پھر اس گستاخ کو۔۔

عباسؑ کی وفا کوئی پوچھے حسینؑ سے

معجزہ ۱۱

حملہ آوروں نے کہا بلاؤ اپنے عباسؑ کو کہاں ہیں آکر مدد کریں

دریائے وفا کے شناور ہیں عباسؑ	لاکھوں ہیں ہیں بے مثل دلاور عباسؑ
مل جائے ہر ایک بلا بہ فیض شبیرؑ	ہو جائیں اگر کسی کے یاور عباسؑ

(مولانا سید اختر علی مرحوم)

کراری ضلع الہ آباد یوپی بھارت میں سادات کی ایک مشہور بستی ہے اسے عہد دیرینہ میں سید حسام الدین نے جو کہ جناب امام محمد تقی علیہ السلام ابن حضرت علی الرضا علیہ السلام کی اولاد سے تھے۔ سنہ ۱۲۰۰ء میں جنگل کاٹ کر اس شہر کو آباد کیا تھا۔ سید حسام الدین صوبہ متھرا کے گورنر تھے۔ اور بعد میں کمانڈر انچیف مقرر ہوئے تھے۔ اسی دوران میں ریاست کو سمجھ کر کے واپس الہ آباد جاتے ہوئے کراری کو آباد کیا۔ ان کی تقریباً تمام اولاد ہمیشہ زمیندار رہی ہے۔ علم و فضل اور شجاعت و سخاوت ان کی نسل کا خاصہ ہے۔ انہی اولاد میں سید اعظم علی بھی گزرے ہیں جو صوبہ مونگیر کے گورنر تھے۔ اور علامہ قاری سید امیر حسن جیسی قابل ترین ہستی کا تعلق بھی اسی علاقے سے تھا۔ آپ ملکہ وکٹوریہ کے زمانۂ حکومت میں عہدہ قضا پر فائز تھے۔ سید حسام الدین کی اولاد نے بڑا عروج پایا جو بہت ہی کم کسی بستی کے لوگوں کو نصیب ہوا۔ اس بستی میں سادات کے علاوہ دیگر مسلمانوں اور ہندوؤں کی بھی آبادی ہے لیکن سادات کا گھرانہ ہمیشہ ان سب لوگوں پر حکومت ہی کرتا رہا۔ اس علاقہ میں غیر سید اور غیر شیعہ کبھی بھی زمینداری حاصل نہیں کر سکے۔ اور مسلمانوں کی تمام آبادی سادات کی خدمت گار کی حیثیت سے آباد رہی ہے۔ کچھ عرصے کے بعد یہاں دیگر لوگوں نے بھی زمینداری حاصل کر لی۔

جس کی بنا پر ان کے مُلّاؤں نے علاقے میں بدامنی پھیلانی شروع کردی اور مذہبی اختلافات کو ہوا دینا شروع کیا۔ اور علاقے میں ایسی کیفیت پیدا کردی کہ ہر دم مسلمانوں کے دونوں فرقے ایک دوسرے سے برسرپیکار رہنے لگے۔ بعض اوقات یہ مُلّا ایسی کیفیت پیدا کردیتے تھے جس کی وجہ سے فسادات رونما ہوجاتے تھے۔ اکثر بلوے بھی اٹھ کھڑے ہوئے ان مذہبی اختلافات نے اتنا زور پکڑا کہ ۱۹۲۳ء میں ایک زبردست بلوہ ہوگیا جس کی مکمل روئیداد کتاب "بلوہ کراری ۱۹۲۵ء" مصنفہ سید ریاض حسین (مرحوم)، قلمی میں پڑھی جاسکتی ہے۔ اس کے علاوہ اس عظیم بلوہ کے سلسلہ میں فخر ملت عالیجناب سید ارتضیٰ حسین صاحب سابق نائب ناظم شیعہ مشن پرگنہ کراری ضلع الہ آباد تحریر فرماتے ہیں کہ ۱۹۲۱ء میں جبکہ خلافت کمیٹی کا ہندوستان میں زور تھا ذمہ داران خلافت کمیٹی الہ آباد نے چاہا کہ شیعان کراری کو اپنے میں جذب کرلیں لیکن شیعہ کلیتاً اس سے علیحدہ رہے اور ان کی تمام ترغیبوں اور ترکیبوں کے باوجود وہ ان میں شامل نہ ہوئے جس کے ردِ عمل میں انھوں نے شیعہ سنی فساد کرانا ضروری سمجھا اور اس کے لئے انھوں نے تبرّا کو بہانہ قرار دیا اس طرح شہر میں بلوہ کرانے کی سعی کی لیکن اس زمانہ میں محسن علی سب انسپکٹر (سنی مذہب) جو کہ تھانہ منجھن پور میں تعینات تھے بغرض انتظام کراری تشریف لائے اور واپسی پر جاکر انھوں نے جنرل ڈائری میں رپورٹ درج کی کہ

"کراری کے سنی شیعہ میں کشیدگی ہے اور کچھ اہل سنت انھیں آپس میں لڑانا چاہتے ہیں۔ میں نے اپنی حکمت عملی سے امسال فساد نہیں ہونے دیا۔ تاہم کنجڑوں اور جولاہوں نے جو اپنا تعزیہ شیعوں کے

ساتھ مل کر اٹھاتے تھے امسال نہیں اٹھایا ہے اور اس سلسلے میں کچھ کہا نہیں جا سکتا کہ آئندہ سال حالات کیا صورت اختیار کرتے ہیں یہ ہے کہ شیعوں کے گلی کوچہ میں تبرا¹ کہنے کی وجہ سے سنیوں کی دل آزاری ہوتی ہے لیکن یہ امر بھی قطعی اور یقینی ہے کہ یہ عمل قدیم الایام سے ان لوگوں میں جاری ہے"۔

محسن علی کے تبدیل ہونے کے بعد گنگا دھر راؤ انسپکٹر اور ہاؤ لم سنگھ سب انسپکٹر تعینات ہوئے ان حضرات نے گاؤں کے چند پارسیوں کا دفعہ ۱۱۰ میں چالان کر کے شیعوں کی گواہی چاہی۔ شیعوں کے مسلمہ لیڈر جناب سید مظاہر حسین صاحب امیر صدر نے شیعہ گواہ گزرنے سے بالکل انکار کر دیا۔ جس کی وجہ سے وہ جل بھن گئے اور انھوں نے کہا کہ اب ہم جو کچھ کریں اس کی شکایت نہ کیجئے گا۔

سال گزشتہ کے محرم کی رپورٹ سالانہ تھانہ میں موجود تھی اس میں ان لوگوں نے عبداللہ خان نائب تحصیلدار منجھن پور کے مشورہ سے نہ جانے کیا تغیر کر دیا کہ اس رپورٹ پر حاکم ضلع نیوبی صاحب (انگریز) سپرنٹنڈنٹ پولیس نے حکم جاری کر دیا کہ امسال منجھن مونی اور کراری میں ۱۰ محرم کو تبرا (یعنی قاتلان حسین علیہ السلام اور دشمنان آل محمدؐ کو بُرا) نہ کہا جائے۔ یہ حکم ۸ محرم ۱۳۴۷ھ کو کراری پہنچا حالانکہ اس سے قبل کی تاریخوں میں ۵، ۶، اور ۷ محرم کو جلوس ذوالجناح و تابوت میں تبرا

---

¹ تبرا سے مراد دشمنان آل محمدؐ اور قاتلان امام حسین علیہ السلام سے اظہار بیزاری ہے۔ نہ کہ کسی فرقہ کے بزرگوں کو برا بھلا کہنا ہے

⁂

ہو چکا تھا۔ اس حکم کے خلاف جناب کلکٹر صاحب کے روبرو درخواست دی گئی۔ اس پر مسٹر گوپی ناتھ ڈپٹی کلکٹر کراری آئے اور انھوں نے ہمارے حقوق کو تسلیم کر دیا اور حکم صادر فرمایا کہ خاموشی کے ساتھ آپ لوگ دشمنان آلِ محمدؐ اور قاتلان حسین علیہ السلام کو برا بھلا اہل تشیعہ حضرات کہہ سکتے ہیں۔ لیکن لفظ خاموشی کو اہل تشیع حضرات نے ماننے سے انکار کر دیا اور احتجاجاً جلوس اور تعزیہ نکالنے سے انکار کر دیا۔ اس کے نتیجہ میں دو ماہ آٹھ دن تک تمام تعزیے امام رکھے رہے اور اسی دوران شیعہ اکابرین نے اس حکم کے خلاف مقدمہ دائر کر دیا۔ اور ثبوت دعوے کے طور پر اہل ہنود اور اہل سنت حضرات کو پیش کر دیا۔ بالآخر ضلع مجسٹریٹ نے شیعوں کے حق میں فیصلہ دے دیا۔ اور ان لوگوں کو باآواز بلند دشمنان آل محمدؐ اور قاتلان حسین کو برا بھلا کہنے کی اجازت مل گئی۔ فیصلہ کے وقت عدالت میں مولوی ولایت حسین اور باقی خان اہل سنت کی طرف سے موجود تھے۔ ان کی زبان سے جہاد کا لفظ نکل گیا جس پر حاکم سخت برہم ہوا اور سپرنٹنڈنٹ کو مکمل انتظام کا حکم دیا۔ بالآخر ۲۹ اکتوبر ۱۹۲۲ء کو مطابق ۸ ربیع الاول کو بڑی شان و شوکت سے اور بڑے جوش و خروش سے تعزیئے اٹھائے گئے۔ اس موقع پر دیگر ضلعوں سے بھی اہل تشیع حضرات زیارت کے لئے شریک ہوئے۔ شہر کے برادران اہل سنت نے مقدمہ ہار جانے کے بعد فیصلہ کیا کہ اب شیعہ حضرات کو تباہ و برباد کر دیا جائے گا۔ اہل سنت کے مسلک سے تعلق رکھنے والے حکام اور روسائے کراری اکٹھا بار بار جنگ کی اور تمام کنجڑوں، کباڑیوں، جولاہوں، نائیوں، کاسہ گروں، نانبائیوں دھوبیوں لوہ بنیتیوں کو ابھار کر سب سے پہلے شیعہ حضرات کا بائیکاٹ کرایا۔ پھر ایک زبردست بلوہ کرایا۔

یہ بلوہ ۷ر رمضان المبارک مطابق ۲۴ر اپریل ۱۹۲۳ء بوقت ۸بجے صبح رپورٹ کے مطابق ایک مجلس کے حوالہ سے ہوا۔ یہ بلوہ پوری تیاری کے ساتھ کیا گیا۔ اس کا آغاز اس طرح ہوا کہ تقریباً دو ہزار افراد رات کے وقت کراری اور اس کے اطراف کے قصبہ سے آکر ایک مخصوص مقام پر جمع کئے گئے۔ اور چھیڑ چھاڑ کے لئے دس افراد رات ہی کو میر مظاہر حسین صاحب رئیس کے مکان کی طرف سے شوروغل کرتے ہوئے گزرے انھوں نے اپنے ملازمین کو حکم دیا کہ ان سرکشوں کو پکڑ لاؤ چنانچہ سب میر صاحب کے پاس حاضر کئے گئے اور معافی مانگ کر چلے گئے۔ میر صاحب کے دروازے کے حدود سے نکل کر گالیاں دیتے ہوئے بھاگ گئے۔

اس واقعہ کی اطلاع میر صاحب نے سید فیض محمد صاحب محلہ شریف آباد کو رات ہی میں کرادی۔ لیکن اس واقعہ کو کوئی اہمیت نہیں دی گئی۔ مگر جب صبح کو گھیر کا پیرا کے امام باڑے کے میدان میں بلوائی لوگ آپہنچے تو سید موسیٰ رضی صاحب دوڑے ہوئے محلہ شریف آباد پہنچے۔ اور سید سبط حسن صاحب سے کہا کہ جلدی سے امام باڑے کی طرف چلو بندوق ساتھ لے لو حملہ آور آگئے ہیں۔ الغرض ادھر سے شریف آباد تلیا کے لوگ وہاں پہنچ گئے اور دیگر حضرات بھی ادھر ادھر سے آگئے۔ بلوائیوں نے تین طرف سے ان مختصر سے لوگوں کو جن کی تعداد ۲۴-۲۵ سے زیادہ نہ تھی گھیر لیا جن میں بعض مومنین کے اسمائے گرامی حسب ذیل ہیں جناب سید محمد اختر سید فیض محمد۔ سید سرور حسین۔ سید رونق حسین، سید ریاض حسین۔ سید ارتقی حسین سید سلطان حسین۔ حسن رضا، سید ظہیر حسن، سید اظہر حسن، سید کاظم حسین، عالم علی عرف بدا، سید کرم حسین۔ سید سبط حسن۔ سید موسیٰ رضا۔ سید نظیر العباس سید سبط حسن۔ سید واحد حسین سید الفدا حسین۔ میر صدر، سید آباد حسین، سید نذر

عسکری۔ سید بشارت حسین۔ سید ظہیر عباس۔ وغیرہ۔

بلوائیوں نے ان بنی فاطمہؑ کو گھیر کر پہلے ایک مسجد کی اینٹیں نکال کر خشت باری کی اور اس شدت سے خشت باری کی کہ کہنہ مسجد اپنی بیخ و بن سے ختم ہو گئی۔ اس کے بعد آگے بڑھ کر لاٹھیوں سے حملہ کیا۔ اب کیا تھا۔ فرزندانِ فاطمہؑ پوری جرأت کے ساتھ میدان میں کود پڑے اور اس دلیری کے ساتھ لڑے کہ ان کے چھکے چھوٹ گئے۔ ان حیدری نبیروں نے تین بار بلوائیوں کو امام بارگاہ کے اطراف سے بھگا کر کربلائے قبرستان تک پہنچا دیا۔ بالآخر مولوی عبدالستار جو کہ اُن کا لیڈر تھا۔ اس نے واپس آتے ہوئے راستہ میں حلف اٹھایا کہ اس حملہ میں سب کا خاتمہ کر دوں گا اور مظاہر حسین کا سر لاؤں گا۔ الغرض شکست خوردہ پھر واپس آیا اور اس نے لاٹھیوں سے جنگ شروع کر دی۔ اس جنگ میں سید محمد اختر۔ سید سرور حسین اور سید ظہیر حسن بہت زیادہ زخمی ہو گئے تھے۔ بالآخر سید بشارت حسین صاحب نے سید محمد اختر حسین کا ہاتھ پکڑ کر انھیں اپنے مکان کے چبوترے پر چڑھا لیا۔ اور اُن سے کہا کہ یہاں بیٹھ کر بندوق سے فائر کرو۔ مولانا نجم الحسن کراروی صاحب مرحوم اور ڈاکٹر سید ناصر حسین جو کہ اس وقت نہایت کمسن تھے اس چبوترے کے نیچے کھڑے ہوئے تھے۔

مولانا نجم الحسن صاحب کراروی مرحوم کا بیان ہے کہ بھائی محمد اختر کے جسم سے اس درجہ خون نکل چکا تھا کہ وہ بندوق چلاتے وقت اونگھ جاتے تھے اور سید بشارت حسین صاحب جھنجھوڑتے اور چونکاتے تھے اسی دوران میں ایک اینٹ کوٹھے پر سے آ کر انگوٹھے پر لگی اور بندوق زمین پر گر گئی۔ سید بشارت حسین صاحب نے پھر بندوق اٹھا کر دی اور سید محمد اختر نے سنبھل کر فائر کیا تو ایک کھتا نامی جولاہا زمین پر گرا۔ اس کے

لڑکے نے بڑھ کر حملہ کرنا چاہا تو محمد اختر نے دوسرا فائر کر دیا جس سے وہ گر پڑا۔ ادھر ایک بڑے گروہ نے تھوڑے سے آدمیوں کو گھیرے میں لے کر مار ڈالنا چاہا۔ اسی دوران میں سید فیض محمد کے سر پر سولہ لاٹھیاں پے درپے لگیں اور وہ گر پڑے اتنے میں ان کے منجھلے لڑکے سید نذیر العباس ان کے اوپر لیٹ گئے تاکہ مزید زخم ان کے نہ لگنے پائیں۔ اسی دوران میں مولوی عبدالستار ایک موٹا سا ڈنڈا لئے ہوئے ان کے قریب پہنچ گیا۔ اور اس نے چاہا کہ ایک ہی وار سے فیض محمد صاحب کی زندگی کا فیصلہ کر دے اتنے میں ان کے منہ سے یہ نکلا۔

"بلاؤ عباسؑ کو کہاں ہیں آکر مدد کریں"۔

یہ الفاظ اس کے منہ سے نکلنا تھے کہ عالم علی بدا جو کہ سید انصار حسین کے دالان کے ایک کھمبے میں بندوق لئے چھپے تھے۔ ان کے کان میں کسی نے کہا فائر کردو۔ وہ فوراً نکل پڑے اور اس کے سینے پر فائر کرتے ہوئے کہا۔

"یہ آئے حضرت عباسؑ"

اس کے ادھر گولی لگی ادھر سید محمد اختر نے دوسرے پر فائر کیا ہی تھا کہ بھگدڑ مچ گئی۔ اس کے بعد لوگ زخمیوں کو اٹھا کر میر مظاہر حسین صاحب امیر صدر کے مکان پر لائے۔ سید فیض محمد صاحب جو کہ مولانا نجم الحسن کے والد تھے اعنیس مولانا کے نانا مظاہر حسین اور پھوپی زاد بھائی سید محمد اختر پکڑ کر گھر لے گئے اسی دوران میں بلوائیوں نے مولوی سید محمد عباس صاحب کو ان کے گھر پر جاکر قتل کر دیا۔ اس کے بعد سید رونق حسین صاحب منجھن پور میں جاکر رپورٹ درج کرائی اور پولیس آگئی اور گرفتاریاں شروع ہوگئیں ۴۱ شیعہ اور ڈیڑھ سو دیگر حضرات گرفتار ہوئے۔ ان لوگوں کو پہلے حوالات میں پھر جیل میں پہنچا دیا گیا اور مقدمہ چلنے لگا۔ کچھ شیعہ لوئر کورٹ سے چھوٹے

پچھ سیشن سے ۲۸ شیعوں کو کالا پانی اور میر سید منظاہر حسین صاحب امیر صدر سید محمد اختر اور عالم علی کو سزائے موت کا حکم سیشن عدالت نے سنایا پھر ہائی کورٹ میں اپیل دائر کر دی گئی۔ ۱۹ مارچ ۲۴ء کو میر منظاہر حسین بے داغ بری ہوئے اور عالم علی کو ایک سال کی سزا ہوئی اور محمد اختر کو ۱۴ سال کی سزا ہوئی کیونکہ انھوں نے سب کے قتل کا ایک خواب کی وجہ سے اقبال کر لیا تھا۔ دس شیعوں کو ایک ایک سال کی سزا تجویز ہوئی۔ شیعوں کی طرف سے ہری مومن بیرسٹر اور مسٹر لوائے بیرسٹر کے علاوہ دیگر شیعہ وکلار نے وکالت کی جب کہ دیگر لوگوں کی طرف سے سیٹھ چھوٹا بھائی اور دیگر روٴسا ملک نے حصہ لیا۔

یہ مولا عباسؑ علمدار کی غیبی مدد تھی کہ اتنے بڑے حملہ آوروں کو چند مومنین نے مار کر بھگا دیا۔ اور بعض شرپسندوں کو ہمیشہ کے لئے سلا دیا۔ یہ مقدمہ جب چلا تو اس میں خصوصی طور پر مومنین کراری، مومنین پرگنہ اور یوپی ہندوستان کے اہل تشیع حضرات نے بھرپور حصہ لیا۔ جس میں حجۃ الاسلام شمس العلمار مولانا سید نجم الحسن صاحب قبلہ، والی ریاست رام پور، مولانا سید محمد دہلوی راجہ منظور حسین انبالہ۔ ٹھاکر ستیلا بخش سنگھ منیجر ریاست ٹانڈہ، مولوی حیدر مہدی، وکیل ظفر مہدی بیرسٹر۔ بیرسٹر نواب مہدی حسن لکھنوی تفضل حسین جونپور۔ ڈاکٹر سید جعفر حسین کراروی ڈی لٹ لندن چودھری غلام حیدر منجھن پور۔ سید محمد عباس موئی۔ سید محمد یعقوب کراری۔ سید امیر الاعظم محمد منظہر سعید۔ سید علی اصغر۔ سید ضمیر الحیدر۔ سید وصی حسن قابل ذکر ہیں۔

(بحوالہ ذکر العباس علیہ السلام از مولانا سید نجم الحسن کراروی صاحب مرحوم)

معجزہ ۱۲

سونے کا طوق خود بخود گلے سے نکل کر چھت سے لگ گیا

سقائے حرمؑ جب قتل ہوا خیموں میں اداسی پھیل گئی
بچوں نے نہ پھر مانگا پانی گو ہاتھ میں خالی جام رہے
(قرار لکھنوی)

کتاب موسوعۃ العموم صفحہ نمبر ۴۳ تا ۴۵ سن طبعات ۱۲۹۳ھ لکھنؤ اور کتاب ذکر العباسؑ از مولانا سید نجم الحسن کراروی مرحوم صفحہ ۴۳ تا ۴۴ کربلائے معلٰی کے رہنے والے سید عباس طباطبائی بیان کرتے ہیں کہ میں مشغول درس تھا کہ ایک روز ایک شور مچا کہ حضرت عباس علیہ السلام کے روضہ میں معجزہ ہوا ہے۔ یہ سنکر استاد محترم نے درس سے ہم لوگوں کو فارغ کر دیا میں دوڑا ہوا روضہ حضرت عباس علیہ السلام پہنچا۔ وہاں جاکر میں نے دیکھا کہ روضہ کے اندر بہت سے حضرات جمع ہیں اور سب کے سب بالکل خاموش ہیں اور ایک عورت فرش پر بے ہوش پڑی ہے۔ میں نے لوگوں سے پوچھا کہ کیا معجزہ ہوا ہے اور اس عورت کو کیا ہو گیا ہے مگر کسی شخص نے کوئی جواب نہیں دیا سب کے سب بالکل خاموش کھڑے رہے۔ بہت دیر کے بعد ایک شخص نے چھت کی طرف اشارہ کیا تو میں نے دیکھا کہ ایک طلائی طوق ایک قندیل سے چپکا ہوا ہے اور قندیل حرکت میں ہے۔ تھوڑی دیر کے بعد اسی بے ہوش عورت کے رشتہ دار آگئے اور انھوں نے بڑی آہ وزاری کے ساتھ مولا عباسؑ کی خدمت میں فریاد کی مشکل کشا کے فرزند کو رحم آگیا۔ عورت فوراً ہوش میں آگئی۔ دریافت کرنے پر اس عورت نے جو بیان دیا وہ سنئے۔

اس عورت کا بیان ہے کہ اس کا لڑکا جو اس وقت اس کے پاس بیٹھا تھا ایک بار علیل ہو گیا تھا اور میں نے منت مانی تھی کہ یہ طوق گراں جو میری گردن

جو میری گردن میں ہے اپنے لڑکے کی صحت پر نذر حضرت عباس علیہ السلام پر کروں گی۔ اب جبکہ میرے اس لڑکے کو کامل صحت مل گئی تو میں طوق ضریح مبارک حضرت عباس علیہ السلام پر چڑھانے کے لئے لائی تھی۔ ابھی طوق کو گلے سے اتارنے نہ پائی تھی کہ یک بیک یہ خیال پیدا ہو گیا کہ چونکہ یہ کافی وزنی اور قیمتی ہے۔ لہٰذا اس کے بجائے کچھ سونا چڑھاؤنگی میرے ذہن میں اس خیال کا آنا تھا کہ میں نے ایک پرچھائیں سی دیکھی۔ اس کے بعد میں بے ہوش ہو گئی۔ پھر مجھے نہیں معلوم کہ کیا ہوا۔

معجزہ ۱۴۳

حضرت عباس علیہ السلام نے لڑکے کے کٹے ہوئے بازو جوڑ دیئے۔

ہم چاند پر حسینؑ کا غم لے کے جائیں گے
عباسؑ نامور کا علم لے کے جائیں گے

کتاب حزن المومنین میں ہے کہ عرب وعجم کے دستور کے مطابق عباسؑ آباد شہر میں مومنین نے یوم عاشورہ شبیہ حضرت عباس علیہ السلام بنانے کا فیصلہ کیا۔ اس کے لئے وہ ایک نیک قسم کے نوجوان کی تلاش میں تھے۔ ناگاہ ایک مرضی کے مطابق نوجوان نظر آیا۔ اس سے انھوں نے اپنے مقصد کو ظاہر کیا وہ بہت خوش ہوا۔ اور شبیہ بننے پر تیار ہو گیا۔ الغرض اس کو شبیہہ عباس بنا کر انھوں نے مراسم غم ادا کئے۔ اس واقعہ کی اطلاع اس کے باپ کو ہو گئی جو سخت ترین ناصبی تھا جب یہ نوجوان گھر گیا تو اس کے باپ نے واقعہ پوچھا۔ اس نے سب واقعہ سنایا باپ نے پوچھا تو کیا عباسؑ کو دوست رکھتا ہے اس نے کہا بے شک۔ یہ سنکر اس نے تلوار اٹھائی اور اس کے دونوں ہاتھ جدا کر کے کہا لے۔ اب تو صحیح تصویر بنا ہے وہ غریب اس صدمے سے زمین پر لوٹنے لگا۔ یہ دیکھ کر اس کی ماں سر پیٹتی ہوئی قریب آئی اور فریاد وفغاں کرتی ہوئی بولی کہ اے ظالم تو روز محشر رسول خدا اور حضرت فاطمہ زہراؑ

کو کیا جواب دے گا۔ اس نے کہا گیا تو ان لوگوں کو دوست رکھتی ہے اس نے جواب دیا کہ بیشک ان پر ہمارا ایمان ہے۔ یہ سنکر اس ظالم نے اس عورت کی زبان کاٹ دی اور اس کی آغوش میں بیٹے کو ڈال کر کہا کہ جا قیامت کے دن تو اپنی بی بی فاطمہؑ اور عباسؑ سے شکایت کر کے مجھ کو عذاب میں مبتلا کر دینا۔ اس کے بعد ان دونوں کو گھر سے نکال کر دروازہ بند کر دیا۔ وہ مومنہ اپنے لڑکے کو اپنے ہمراہ ہاتھوں سمیت ایک عزاخانہ میں چلی گئی اور اپنے بیٹے کو زیر منبر ڈال کر قریب بیٹھ کر محوِ گریہ و بکا ہوئی۔ صبح کے قریب چند بیبیاں سیاہ پوش ظاہر ہوئیں اور اس سے رونے کا سبب دریافت کیا۔ اس نے ہاتھ کے اشارے سے زبان کے کٹنے کا حال ظاہر کیا۔ انھوں نے فرمایا غم نہ کر سب ٹھیک ہو جائے گا۔ اس کے بعد ان عورتوں میں سے ایک بی بی نے اس کی زبان کا ٹکڑا زبان سے ملا کر اپنا لعاب دھن لگا دیا وہ ٹھیک ہو گئی۔ اس کے بعد یہ بیبیاں جانے لگیں اس مومنہ نے ان کا دامن پکڑ لیا اور کہا کہ میرا لڑکا زیر منبر پڑا ہے اسے بھی درست کر دیجئے۔ انھوں نے فرمایا کہ اس کو حضرت عباس علیہ السلام نے ٹھیک کر دیا ہو گا تو جا کر اپنے لڑکے کو دیکھ لے۔ یہ مومنہ فوراً اٹھ کر اپنے بیٹے کی طرف گئی منبر کے پاس اس کا بچہ ٹھیک ٹھاک حالت میں بیٹھا ہو تھا۔ یہ مومنہ اسی وقت ان بیبیوں کے پاس آئی اور دریافت کیا کہ بیبیاں کون ہیں۔ ان میں سے ایک معظمہؑ نے کہا کہ میں حسینؑ کی دکھیاری ماں فاطمہؑ ہوں۔ اس کے بعد وہ بیبیاں نظر سے غائب ہو گئیں اس مومنہ کا بیان ہے کہ میں نے لڑکے سے پوچھا کہ کیا واقعہ تیرے ساتھ پیش آیا کس طرح تیرے ہاتھ ٹھیک ہو گئے۔ لڑکے نے کہا میں عالم بیہوشی میں تھا کہ ایک نقاب پوش جوان میرے قریب تشریف لائے اور مجھ کو مخاطب کر کے کہنے لگے گھبرا نہیں سب ٹھیک ہو جائے گا۔ اس کے بعد میرے ہاتھوں کو میرے جسم سے ملا کر کچھ فرمایا میرے ہاتھ فوراً ٹھیک ہو گئے میری

تکلیف جاتی رہی ہیں نے فوراً اُن کا دامن تھام لیا اور اُن کی خدمت میں عرض کی حضورؐ آپ کون ہیں۔ انھوں نے فرمایا میں "عباسؑ ہوں" میں نے درخواست کی کہ آپ اپنے دستِ مبارک دیجئے تاکہ میں بوسہ دے سکوں۔ حضورؐ نے فرمایا کہ میرے ہاتھ نہیں ہیں وہ کربلا کے میدان میں اسلام پر قربان ہو گئے۔ اس کے بعد وہ نظروں سے غائب ہو گئے۔

عباسؑ آبرو یہ بڑا حرف آئے گا
پانی پیا تو نام وفا ڈوب جائے گا

(راجہ محمود آباد)

معجزہ ۱۴۱

مشکِ سکینہؑ کو چھیدنے اور حضرت عباسؑ علمدار کے ہاتھ شہید کرنے والے اسحاق بن حویہ کا حشر

زندہ دلِ شبیرِ جری روحِ وفا ہیں عباسؑ
ہر گھڑی شمعِ امامت کے فدا ہیں عباسؑ
مرتے دم تک ہے پروانہ صفت شہ پہ نثار
تقویت تھی بھرے گھر کو کہ ابھی ہیں عباسؑ

(سید مختار عابدی برستی)

علامہ احسان تہرانی لکھتے ہیں کہ عبداللہ ہوازی کا بیان ہے کہ میں ایک دن بازار میں جا رہا تھا کہ میری نظر ایک ایسے شخص پر پڑی کہ جس کا چہرہ متغیر تھا جو مکروہ صورت تھا۔ زبان خشک منہ سے باہر نکلی ہوئی تھی وہ عصا کے سہارے سے راستہ چل رہا تھا اور بھیک مانگتا پھرتا تھا میں نے جونہی اسے اس حال میں دیکھا میرا بدن

لرزتا تھا۔ میں اس کے قریب گیا۔ اور اُس سے پوچھا تو کہاں کا رہنے والا ہے اور
کس قبیلے سے تعلق رکھتا ہے۔ اس نے میری طرف توجہ کئے بغیر اپنی راہ لی میں نے
اُسے قسم دے کر پوچھا کہ تو اپنا حال بتا کہ تیری شکل اتنی مکروہ کس طرح ہو گئی ہے
کہ جس کو دیکھ کراہیت آتی ہے اور خوف آتا ہے۔ اس نے کہا بھائی میرا حال نہ
نہ پوچھو اور مجھے میرے حال پر چھوڑ دو۔ میں نے کہا کہ میں ہرگز نہ مانوں گا جب تک
تو مجھکو اپنے حال سے آگاہ نہیں کرے گا۔ اس نے کہا کہ اگر تم نہیں مانتے تو پھر
پہلے مجھے کچھ کھلاؤ کیوں کہ بھوک کی شدت سے میرا حال بہت برا ہو رہا ہے میں
نہ تو کچھ بول سکتا ہوں اور نہ کہہ سکنے کی ہمت ہے کھانا کھانے کے بعد میں اپنی
غم آفریں داستان تمہیں سناؤں گا۔ میں اسے اپنے گھر لے گیا اور خوب اچھی طرح
اس کی شکم سیری کرائی جب اُسے سکون ہوا تو اس نے اپنی داستان بیان کرنا شروع
کی۔ اس نے مجھ سے دریافت کیا کہ تم عمرؑ سعد ملعون ازلی کو جانتے ہو۔ میں نے کہا
جانتا ہوں۔ پھر میں نے اس سے کہا کہ تیرا اس ملعون ازلی سے کیا واسطہ۔
اس نے کہا کہ واقعہ کربلا میں میں اس کا علمدار تھا اور میرا نام ہے اسحاق بن حویہ
اس نے کہنے پر اس کے منہ سے تارکول کی بو آنے لگی۔ پھر وہ کہنے لگا کہ رزم گاہ
کربلا میں عمر بن سعد نے مجھے نہر فرات پر تعینات کیا تھا اور مجھے حکم دیا تھا
کہ امام حسینؑ کے لشکر میں کسی صورت سے پانی نہ پہنچنے دیا جائے۔ چنانچہ
میں اس کے حکم تعمیل میں ہمہ تن متوجہ ہو گیا اور شب و روز پوری بیداری کے ساتھ
امام حسین علیہ السلام تک پانی پہنچنے کو روکتا رہا۔ حتیٰ کہ میں نے اپنے لشکر والوں تک
کو نہر فرات پر بلا اجازت جانے سے روک دیا تھا۔ کیونکہ مجھے شبہ تھا کہ کہیں
ہم میں سے کوئی خفیہ طور پر امام حسین علیہ السلام تک پانی پہنچا دے۔
ایک شب کا واقعہ ہے کہ میں بہت پوشیدہ طریقہ سے امام حسین علیہ السلام
کے ایک خیمہ تک جا پہنچا تا کہ ان کے ارادے معلوم کروں میں چھپا ہوا بیٹھا ہی تھا

کہ امام حسین علیہ السلام اور حضرت عباس علیہ السلام میں گفتگو کی آواز آنے لگی۔ اس بات چیت میں میں نے یہ محسوس کیا کہ دونوں بھائی موجودہ حالات سے بے حد متاثر ہیں۔ حضرت عباس علیہ السلام نے حضرت امام حسین علیہ السلام سے کہا کہ اے بھائی مجھے اب اطفال میں پیاس کی بیتابی دیکھی نہیں جاتی اور نہ ان کے انتہائی پر درد نالے سنے جاتے ہیں۔ میرے آقا اب تک دو خیموں کے اندر کنواں کھود چکا ہوں لیکن پانی دستیاب نہیں ہو سکا۔ حضرت امام حسین علیہ السلام نے فرمایا کہ عباسؑ اگر تم ان انسان نما لوگوں کے پاس جاکر پانی طلب کرو تو کیا ممکن ہے کہ وہ پانی دے دیں۔ حضرت عباس علیہ السلام نے عرض کیا مولا کئی بار ایسا بھی ہو چکا ہے جتنی مرتبہ گیا ہوں تیر و شمشیر کے سوا کوئی جواب نہیں ملا۔ یہ سُن کر حضرت امام حسین علیہ السلام بے حد متاثر ہوئے اور بے ساختہ رو پڑے۔ حضرت عباسؑ نے عرض کیا مولا آپ متاثر نہ ہوں میں صبح کو ایک بار پھر سعی بلیغ کروں گا۔ اور انشاءاللہ پانی حاصل کر لوں گا۔ یہ سنکر حضرت امام حسین علیہ السلام نے ان کے حق میں دعائے خیر کی۔

اے عبداللہ میں یہ تمام باتیں پس پردہ سنکر اپنی جگہ واپس گیا اور میں نے تمام واقعہ عمر بن سعد ملعون سے بیان کیا۔ پھر اس کے بعد بہت سے مددگاروں کو جمع کر کے اس وقت کا انتظار کرنے لگا جبکہ عباس ابن علی علیہ السلام کے آمد کی توقع تھی۔ اے عبداللہ جب صبح کا وقت ہوا اور کارزار کربلا شروع ہو گیا تو وہ موقعہ پیش آیا جس میں عباسؑ بن علیؑ امام حسین علیہ السلام کے پاس سے روانہ ہو کر طلب آب کے لئے نہر فرات کی طرف آئے وہ اس وقت شیر ببر کی طرح غضبناک تھے۔ ان کے نہر پہ پہنچتے ہی سارے لشکر نے ان پر یکبارگی حملہ کر دیا تیر بارانی کرنے والوں نے تیر برسائے۔ نیزہ مارنے کی سعی کرتے رہے۔ اے عبداللہ حضرت عباسؑ بن علیؑ پر اس قدر تیر مارے گئے کہ ان کا بدن سیاہیؔ کے مانند ہو گیا

اور جسم پر اُن کے تیر ہی تیر نظر آنے لگے۔ مگر وہ بڑے بہادر تھے انھوں نے اپنی ہمت پست نہیں ہونے دی اور وہ برابر آگے بڑھتے رہے۔ یہاں تک کہ لشکر کو درہم برہم کر کے نہر فرات پر جا پہنچے اور انھوں نے اپنے گھوڑے کو نہر فرات میں ڈال دیا۔ اور چلو میں پانی لیا اور لشکر کی طرف کر کے دکھلایا کہ اے فوج یزید ملعون دیکھو تمہارے گھیرے کے باوجود پانی ہماری مٹھی میں ہے لیکن ہم اسکو اس وقت تک نہیں پیئیں گے جب تک میرے آقا حسینؑ اور ان کے بچے نہ پی لیں اور پانی کو دشمن کی طرف اچھال دیا میں نے اس وقت پوری سعی کی کہ عباسؑ پانی نہ پی سکیں میں نے لشکریوں کو حکم دیا کہ اب پوری توجہ سے کام کرو دیکھو اگر عباسؑ نے پانی پی لیا تو پھر ان سے کوئی بھی مقابلہ کسی صورت سے نہیں کر سکے گا۔

چنانچہ میرے لشکریوں نے پوری توجہ دی اور ان پر حملہ شروع کر دیا وہ مشکیزے کو نہر سے بھر کر برآمد ہوئے اور حملوں کا جواب دینے لگے۔ اے عبداللہ وہ اس بہادری سے لڑ رہے تھے کہ ہم سب حیران تھے۔ لشکر چاروں طرف سے حملہ کر رہا تھا اور وہ سب کا جواب دے رہے تھے۔ یہاں تک کہ ہمارے لشکر کے ایک ازدی شخص نے جو ایک کمین گاہ میں چھپا بیٹھا تھا ایک ایسا وار کیا کہ حضرت عباس علیہ السلام کا داہنا بازو کٹ گیا۔ اور زمین پر گر پڑا۔ اس وقت انھوں نے بڑی پھرتی کے ساتھ مشک و علم کو بائیں ہاتھ سے سنبھالا اور جنگ کو جاری رکھا اور پوری بہادری سے کثیر افراد کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔

اے عبداللہ ہماری تمام تر سعی اب یہ تھی کہ پانی خیمہ حسینؑ میں پہنچنے نہ پائے چنانچہ ہم سب ہی اسی سعی میں پوری طاقت کے ساتھ لگ گئے۔ ناگاہ مجھے موقع مل گیا اور میں اُن کے قریب جا پہنچا۔ اور نیزے کا ایک ایسا وار کیا کہ مشکیزہ چھد گیا۔ اب میں اس مقام سے دور جانا چاہتا تھا کہ حضرت عباسؑ نے مجھ پر حملہ کر دیا۔ میں نے اس کے جواب میں ایک ایسا وار کیا کہ ان کا بایاں ہاتھ کٹ گیا۔ اور ایک شخص

نے بڑھ کر گرز آہنی سے ان کے سر کو شگافتہ کر دیا۔ دریں اثنا وہ گھوڑے سے زمین کی طرف چلے اور انھوں نے امام حسین علیہ السلام کو آواز دی۔ عباسؑ کی آواز سنکر امام حسین علیہ السلام ان کی طرف عقاب کی تیزی کی طرح نہایت سرعت سے پہنچے راستہ میں جو لوگ حائل تھے انکو حملہ شمشیر سے دور کیا اور وہاں پہنچ کر جناب عباسؑ کی حالت دیکھ کر بہت روئے۔

اے عبداللہ انھوں نے حضرت عباس علیہ السلام کو اس حالت میں دیکھا کہ ان کے دونوں ہاتھ جسم سے جدا ہو چکے تھے اور ان کا سر شگافتہ تھا۔ بدن ٹکڑے ٹکڑے تھا۔ صدائے گریہ و نالہ اش بلند شد۔ یہ دیکھ کر آپ کے منہ سے بے ساختہ چیخ نکل گئی اور آپ رونے لگے۔ پھر امام عالی مقام زمین پر بیٹھ گئے۔ اور انھوں نے اپنے بھائی کا سر اپنے زانو پر رکھا اور ان کے چہرے کا خون صاف کیا۔ پھر دونوں بھائیوں میں کچھ گفتگو ہوئی جب حضرت عباس علیہ السلام کی روح پرواز کر گئی تو حضرت امام حسین علیہ السلام اٹھے اور انھوں نے ہمارے لشکر پر بھرپور حملہ کیا اور تہس نہس کر ڈالا ہم لوگوں نے پورا مقابلہ کیا آخر میں شکست کھا کر ہم سب بھاگ نکلے اس کے بعد امام حسین علیہ السلام نہر فرات پر گئے ہم نے یہ سوچتے ہوئے کہ کہیں حسینؑ پانی نہ پی لیں انکو پکار کر کہا کہ آپ پانی کے پاس ہیں اور لشکر خیمہ گاہ میں گھس گیا ہے۔ یہ سنتے ہی وہ فوراً خیموں کی طرف دوڑے وہاں پہنچ کر محسوس کیا کہ ہمیں فوج یزید نے دھوکا دیا ہے

عبداللہ موازی کہتے ہیں کہ میں نے جب اس واقعہ کو سنا تو خون پھیر پھرانے لگا اور مجھے اس قدر رنج پہنچا کہ میں اپنے قابو سے باہر ہو گیا۔ اس کے بعد میں نے اسے ایک دوسرے مکان میں ٹھہرایا۔ اور کہا کہ تو اس جگہ بیٹھ میں ابھی آتا ہوں۔ یہ کہہ کر باہر آیا۔ اور ایک دوسرے دروازے سے اپنی شمشیر لے کر داخل ہوا۔ اس نے جب شمشیر برہنہ میرے ہاتھ میں دیکھی تو کہنے لگا کہ مہمان کے ساتھ کیا یہ سلوک مناسب ہے؟ میں نے کہا امام حسین علیہ السلام بھی تو خود نہ گئے تھے ان کو بھی مہمان ہی تم لوگوں

نے بلایا تھا۔ پھر اُن کے ساتھ کیا سلوک کیا۔ کیا وہی مناسب تھا جو تم لوگوں نے انہیں مہمان بنا کر کیا تھا۔ اس کے بعد میں نے کہا کہ قتل کے علاوہ کوئی اور سزا ممکن ہوتی تو میں تجھے وہی سزا دیتا۔ یہ کہہ کر میں نے تلوار سے اس کا سر اڑا دیا اور اپنے ساتھیوں کی مدد سے اس کی نعش نذرِ آتش کر کے اس کی خاک ہوا میں اڑا دی (بحوالہ کتاب دار السلام طبع ایران و کتاب زندگی شہادت ابوالفضل ص۵۳ ایران)

عرقِ شرم میں کیونکر نہ رہے نہ پانی
پھیدکا عباسؑ نے چلو میں اٹھا کر پانی

معجزہ ۱۵

ماں کی پاک دامنی پر پیٹ کے بچّے نے گواہی دی۔

سچ کہنا جہاں میں کوئی اندھیر نہیں
سقائے سکینہؑ سا زبر شبیر نہیں
شبیرؑ کے لشکر میں نہ کیوں پیش رہیں
عباسؑ کے تو نام میں بھی زیر نہیں
(باقر دہلوی)

ایک شخص کو اپنی زوجہ پر شک ہو گیا کہ یہ بچہ جو اس عورت کے پیٹ میں ہے اس شخص کا نہیں ہے بلکہ حمل کسی اور شخص کا ہے۔ باہمی نزاع نے یہاں تک نوبت پہنچائی کہ مرد اپنی بیوی کو قتل کرنے پر تیار ہو گیا۔ عورت نے کہا مجھے اتنی مہلت دو کہ میں روضہ ابوالفضل العباسؑ علیہ السلام تک جاؤں۔ شوہر اس بات پر راضی ہو گیا میاں اور بیوی دونوں روضہ مبارک حضرت عباس علیہ السلام پر حاضر ہوئے عورت نے بارگاہِ ابوالفضل عباسؑ میں دعا کی مولا یہ بچہ جو میرے پیٹ میں جنم لے رہا ہے گواہی دے کہ یہ کس شخص کا ہے۔ تاکہ میری بے گناہی ثابت ہو سکے۔

دل سے نکلی ہوئی سچی دعا اثر رکھتی ہے دعا بارگاہِ ابوالفضل عباسؑ میں

یں مستجاب ہوئی پیٹ کے بچے نے اس مومنہ کی پاک دامنی کی گواہی دی (صلوٰۃ محمد وآل

محمد علیہ السلام پر) اور مومنہ باعزت روضے سے گھر واپس ہوئی. شوہر بہت شرمندہ ہوا

اس نے اپنی بیوی سے معافی مانگی اور اس طرح جناب عباسؑ نے اس مومنہ کی

جان بخشی کرادی۔

(بحوالہ کتاب زادالسلاق سفرنامہ عراق صفحہ نمبر ۶۲ و سوانح عباسؑ دلاور

از آغا مہدی لکھنوی صفحہ ۲۴۹)

معجزہ نمبر ۱۶

روضۂ عباسؑ جہاں بیمار شفا پاتے ہیں

حضرتِ عباسؑ کو کب ہے سپر کی احتیاج

خود شجاعت جنگ میں سینہ سپر ہوجائے گی۔

(سید محمد کاظم جاوید)

شہر بمبئی بھارت کا تقسیم ہند سے پہلے کا واقعہ ہے کہ ایک لکھپتی سیٹھ کا

لڑکا کسی موذی بیماری میں گرفتار ہوگیا۔ اس سیٹھ نے اس لڑکے کے علاج میں کوئی

کسر نہ اوٹھا رکھی۔ سیٹھ کا یہ اکلوتا لڑکا تھا ہر وقت بیٹے کی صحت کے لئے فکر

مند رہتا تھا۔ آخر بچہ کی بیماری سے مایوس ہو کر گھر میں بیٹھ گیا تو لوگوں نے کہا جہاں

تم نے اس بچہ کے علاج پر اتنا روپیہ خرچ کیا ہے وہاں اس کو تم ملک عراق

میں حضرت عباس علمدار علیہ السلام فوج حسینیؑ کے روضہ مبارک پر لے جاؤ اور اپنے

اور اپنے ساتھ اس بچہ کو بھی لے جاؤ۔ انشاء اللہ یہ بچہ روضہ حضرت عباس علیہ السلام

پر ضرور صحت یاب ہو جائیگا. لوگ کہتے ہیں کہ حضرت عباسؑ باب الحوائج ہیں

اُن کے در پر جو پریشان حال اور مصیبت زدہ شخص جاتا ہے یہ اس کی دادرسی ضرور

کرتے ہیں۔

سیٹھ اپنے بچے کو لے کر فوراً سفر عراق پر روانہ ہو گیا۔ عراق پہنچ کر روضہ حضرت عباس علیہ السلام پر حاضری دی اور اس بیمار بچہ کو مرقد اطہر کی جالیوں سے باندھ کر خود مسافر خانہ میں آ کر سو گیا۔ ابھی سوئے ہوئے کچھ ہی دیر ہوئی تھی کہ خواب میں کیا دیکھتا ہے کہ ایک دربار لگا ہوا ہے مولا علیؑ مسند پر تشریف فرما ہیں۔ فریادیوں کی کی درخواست مولائے کائنات کی خدمت میں حضرت عباس علیہ السلام پیش کر رہے ہیں جناب امیر علیہ السلام ہر درخواست پر دستخط کرتے جاتے ہیں۔

آخر میں اس سیٹھ کے لڑکے کی درخواست پیش ہوئی۔ جناب امیر علیہ السلام نے کہا اس درخواست کو رہنے دو یہ بہت دیر سے آیا ہے۔ اتنا سننا تھا کہ جناب عباسؑ مچل گئے اور اپنے بابا مشکل کشا سے عرض کرنے لگے کہ بابا یہ زائر اور فریادی میرے روضہ پر آیا ہے۔ اگر ناامید ہو کر چلا گیا تو پھر کون آیا کرے گا۔ آپ نے تو میرے دروازے پہ باب الحوائج (حاجتوں کا گھر) لکھا ہوا ہے۔ اگر لوگوں کی حاجتیں پوری نہ ہوئیں تو بابا یہاں کون آئے گا۔ یا تو اس کی درخواست پر دستخط کر دیجئے یا آپ باب الحوائج کو مٹا دیجئے۔ مولا نے اس سیٹھ کی درخواست پر دستخط کر دیئے۔ سیٹھ کہتا ہے کہ میری فوراً آنکھ کھل گئی۔ کیا دیکھتا ہوں میرا لڑکا بالکل تندرست خداموں کے ساتھ مسافر خانے میں کھڑا ہے۔ میں بچے کو لے کر فوراً روضہ مبارک پر حاضر ہوا اور ہم باپ بیٹوں نے ضریح مبارک کا طواف کیا اور خوشی خوشی وطن واپس ہوئے۔ (صلوٰۃ محمدؐ و آل محمد علیہ السلام) بحوالہ سات معجزے صفحہ نمبر ۵۵ ناشر افتخار بکڈپو۔ لاہور)

معجزہ نمبر ۱۷

حضرت عباسؑ علمدار کی حاضری کی منت نے گونگے کو زبان دے دی۔

ہم پہ نہ چلا زور زمانے میں کسی کا   جب نام لیا حضرتِ عباسؑ علیؑ کا

محلہ لکڑ منڈی وزیر آباد پنجاب میں اہل سنت والجماعت کا ایک گھرانہ عاشق آل محمد علیہ السلام تھا۔ اس گھرانہ میں ایک جوان لڑکا اعجاز عرف پھالی کی زبان تشدد کی وجہ سے گونگی ہو گئی تھی جس کی وجہ سے وہ اشاروں سے بات چیت کرتا تھا۔ اس کے گھر والوں نے اعجاز کو ساتھ لے کر امام بارگاہ قاضی غالب علی شاہ (وزیر آباد) جا کر منت مانی کہ اس نوجوان کی زبان ٹھیک ہو جائے اور یہ گفتگو کرنے لگے تو ہم لوگ اس امام بارگاہ کی حاضری کریں گے۔ مورخہ ۱۱ محرم الحرام ۱۹۸۲ء کو اعجاز عرف پھالی کی زبان اچانک نعرۂ حیدری یا علیؑ مارنے سے بالکل درست ہو گئی پھر کیا تھا ان لوگوں نے پورے محلہ میں مٹھائیاں تقسیم کیں اور اعجاز عرف پھالی نے مذہب حقہ کو قبول کر لیا۔ (بحوالہ پندرہ روزہ العراق لاہور ۵ دسمبر ۱۹۸۲ء شمارہ ۵)۔ فوٹو اعجاز عرف پھالی کا ملاحظہ کیجئے

معجزہ ۱۸

لکھنؤ یوپی میں درگاہ حضرت عباسؑ کی معجزاتی تعمیر

نہ لشکر ہے نہ سپاہ ہے نہ کثرت الفنا ہے
نہ قاسمؑ نہ علی اکبرؑ نہ عباسؑ ہے

قدیم لکھنؤ کے غربی حصہ میں ایک محلہ ہے جس کا نام رستم نگر ہے یہاں پر ایک مقدس عمارت ہے جو درگاہ حضرت عباسؑ علمدار کے نام نامی اسم گرامی سے منسوب ہے۔ شیعی دنیا کے بیشتر افراد لکھنؤ پہنچنے پر یہاں کی زیارت کو جانا فخر سمجھتے ہیں۔

اس عمارت کی بنیاد مرزا فقیر بیگ نے اس دور میں رکھی تھی جب نواب مرزا یحییٰ خاں عرف مرزا امانی ملقب بہ نواب آصف الدولہ بہادر جنگ فیض آباد چھوڑ کر گومتی کے کنارے ٹھہرے ہوئے تھے اور لکھنؤ شہر کی داغ بیل ڈالی جا رہی تھی۔ نواب کا سن جلوس ۱۱۸۸ھ اور تاریخ وفات ۲۸ ربیع الاول ۱۲۱۲ھ ہے

اس مقدس اور متبرک درگاہ کی شہرت اور مقبولیت کا راز ایک علم کی وجہ سے ہے جس کو لوگ حضرت عباسؑ علمدار کے علم کی شبیہ کہتے ہیں اس علم مبارک کے کراماتی فیض سے ہزاروں آدمیوں نے استفادہ حاصل کیا ہے۔

غیر شیعہ واقعہ نگاروں نے اس درگاہ اور علم کی مقبولیت کے لئے دو قول تحریر کئے ہیں۔

پہلا واقعہ اس طرح ہے کہ ایک درویش تعزیت حسین بقول عبدالطیف لوحانی خالص پوری علم مبارک ملک شام عرب سے کر آئے۔ اور اس کو اس درگاہ میں نصب کیا شہر لکھنؤ کے جذب و کمال نے ایک مقدس زیارت گاہ بنادیا۔ بعض اہل علم کہتے ہیں کہ اس زمین پر ایک نادار سیّد افلاس کی زندگی بسر کر رہا تھا اس کو خواب کے ذریعہ بشارت ہوئی کہ اس جگہ زیر زمین علم مبارک حضرت عباسؑ ہے۔ اس سید نے اس جگہ کی کھدائی کی تو حسب بشارت زمین سے علم مبارک کا پنجہ برآمد ہوا۔ جس کا وزن ۱۳ اسیر کا تھا پھر اس پنجہ کو علم میں نصب کر کے اس عمارت میں لگا دیا گیا جو بعد میں لوگوں کے لئے معجزات کرامات منت اور مرادوں کے لئے مقدس درگاہ بن گئی۔

معجزاتی علم کے لئے معتبر روایت

یوروپین خاتون لیڈی برجٹیا ممبر ہاؤس آف لارڈس انگلینڈ جنھوں نے نواب مصلح الدولہ حاجی میر حسن علی شاہ مرحوم سے بعہد نواب سعادت علی خاں مرحوم میں عقد کر لیا تھا۔ اس کے بعد اس معزز خاتون نے ۱۲ سال ہندوستان میں قیام کر کے یہاں کے حالات پر ایک کتاب لکھی جسکا نام "ابزرویشن آن دی مسلمانس آف انڈیا"۔ از مس حسن علی۔

(OBSER VATON ON THE MUSLMAN OF INDIA)

(اردو ترجمہ) اس کتاب میں تحریر فرماتی ہیں کہ عہد نوابی کے ایک پاک اعتقاد مومن حج بیت اللہ کے لئے گھر سے چلے۔ مناسک حج ادا کرتے ہوئے خواب دیکھا کہ ایک بزرگ نورانی صورت تشریف لائے ہیں اور حکم دیتے ہیں کہ سمتِ واپسی براہِ عراق کرنا اور عربستان کے فلاں مقام پر جو علم زیرِ زمین پوشیدہ ہے اس کو اپنے ساتھ ہندوستان لیتے جانا۔ تعمیل حکم ہوئی اور جس مقام پر خواب میں رہنمائی ہوئی تھی وہاں سے زمین کھود کر علم نکالا۔ لکھنؤ واپس تھوڑے علم کے پہنچنے پر ان کے گھر سے ایک روشنی نمایاں ہوئی جس نے قرب و جوار میں ایک شور کر دیا۔ اور اس روشنی کی شہرت دور دور تک ہو گئی۔ اس روشنی نے اس گھر کو منور کر دیا۔ جسکی اطلاع فرمانروائے شہر کو ہوئی۔ اور حاجی صاحب کو باعزاز واکرام قصرِ حکومت میں طلب کیا گیا۔ روشنی کا سبب دریافت کیا گیا۔ حاجی صاحب نے تمام واقعہ بیان کیا۔ نوعیت واقعہ معلوم ہونے پر طے پایا کہ درگاہ کی عمارت تعمیر کی جائے اور پھر اس بشارتی علم کو اس عمارت میں نصب کر دیا جائے۔ علمائے اکرام کے مشورہ سے عالیشان درگاہ بن کے تیار ہوئی اور نواب کے محل سے علم سج کر جلوس کی شکل میں رستم نگر تک لایا گیا۔ اہل شہر کے جم غفیر میں علم پر سے اس زر و جواہر نواب نے نثار کئے اور محتاجوں میں خیرات تقسیم ہوئی جس کی مثال کسی حکومت میں نظر نہ آئے گی۔ زیارت گاہ سے علم نصب ہونے کے بعد انواع و اقسام کی کرامتیں ظاہر ہونا شروع ہو گئیں۔ سال میں صرف ایک بار اس علم کو امام بارگاہ کے صحن درگاہ میں لایا جاتا تو یہ علم خود بخود آسمان کی طرف اٹھنے لگتا اور اس علم کو جو اٹھائے ہوئے ہوتا اس کے پیر زمین سے اٹھنے لگتے۔

حضرت عباسؑ کی درگاہ اور علم سے نوابین اودھ کی والہانہ وابستگی رہی ہے۔ نواب سعادت علی خاں نے مراد مانی کہ ان کو انکا آبائی منصب مل جائے تو وہ اس روضہ کی شبیہہ کے گنبد کو طلائی کروادیں گے۔ مراد پوری ہوئی۔ نواب نے گنبد کو طلائی کروادیا۔ اس طرح جو نواب بھی تخت حکومت پر بیٹھتا وہ یہاں آنا اپنا فرض سمجھتا۔

غدر ۱۸۵۷ء میں شہرت اور معتبر ترین بیانات یہ ہیں کہ یہ علم اندر درگاہ سے شہتوت کے درخت تک جو صحن حرم میں تھا آتے ہوئے وہاں موجود لوگوں نے دیکھا پھر اس معجزاتی علم کا کہیں پتہ نہ چل سکا امن وامان ہونے پر شرف الدولہ نے ایک ہزار روپیہ انعام مقرر کیا کہ جو شخص اس علم کی نشاندہی کرے گا اس کو انعام دیا جائے گا۔ مگر علم کسی قیمت پر واپس نہ ہوا۔

معجزہ ۱۹

علم حضرت عباسؑ کے پنجہ پر "محمدؐ" خود بخود تحریر ہو گیا۔

خاک اڑاتی ہوئی جنگل سے ہوا آتی ہے

ہائے عباسؑ کی دریا سے صدا آتی ہے

سید حسن الکمال سابق منیجر الواعظ درگاہ حضرت عباس علیہ السلام واقع رستم نگر لکھنؤ (یوپی) بھارت ۲۰ مارچ ۱۹۴۵ء مطابق ربیع الآخر ۱۳۶۴ھ کا واقعہ اپنے ایک مراسلہ میں مندرجہ بالا درگاہ اور اس سے متعلق علم کی کرامات پر اشارہ کرتے ہیں کہ لکھنؤ میں متعدد امام باڑوں کے علموں کے پنجہ پر سے شبیہیں نظر آنے کی خبریں آرہی ہیں چنانچہ اسی دوران مندرجہ بالا تاریخ کو مجھے اطلاع ملی کہ درگاہ حضرت عباس علیہ السلام میں دفعتاً علم کے پنجہ سیاہ ہو گئے ہیں۔ خبر ملتے ہی میں ۷ بجے شب کو درگاہ

پہنچ گیا جس وقت درگاہ کے پھاٹک پر پہنچا تو میرا دل زور زور سے لرزنے لگا۔ ہاتھ پاؤں اچھی طرح قابو میں نہ تھے۔ ایک رعب تھا جو مجھ پر طاری تھا میں ڈرتے ڈرتے صحن اقدس میں گیا اور تقریباً چھ سات گز کے فاصلہ سے دیکھنا شروع گیا۔ روضہ میں سب علم چاندی کے ہیں اور بہت صاف ہیں۔ لیکن اس وقت ایک علم جو کہ آدھ گز کا ہوگا اس کا بہت زیادہ حصہ سیاہ تھا میں بغور دیکھتا رہا میرے دیکھتے دیکھتے اس کی سیاہی میں برابر اضافہ ہوتا گیا۔ یہاں تک کہ پورا علم سیاہ ہو گیا۔ صرف اوپر کے حصہ میں اک ذرا سی سفیدی باقی رہ گئی تھی۔ اس کے پہلو میں جو بالکل ویسا ہی دوسرا علم تھا مگر وہ بہت صاف تھا اس پر پہلے سے کوئی علامت یا نشان نہ تھا یکایک اس علم پر بہت واضح اور صاف طریقہ پر لفظ "محمدؐ" نمودار ہوا جسے اس وقت کے تقریباً تمام حاضرین نے بغور دیکھا یہ کیفیت تقریباً پندرہ بیس منٹ تک برقرار رہی اور لوگ بہت اچھی طرح بغیر کسی مدد اور بغیر بتائے ہوئے دیکھا کئے۔

بھائیوں علم کی سیاہی ایک طرف تو پیام غم و سوگواری کو ظاہر کرتی ہے اور دوسری طرف غصہ اور جلال کی علامت ہے۔ جو ہونا تعجب نہیں ہے۔ اس وقت جب یہ معجزہ ظہور پذیر ہوا تھا قوم افتراق و انشقاق کا شکار تھی۔ "محمدؐ" کے مبارک لفظ کا علم پر نمودار ہونا بتاتا ہے کہ ہم امت محمدی کے پروانے ہو جو دنیا میں صلح و آشتی اور خیر کے لئے آیا ہے لیکن تم لوگوں نے محمدؐ کی تعلیم بھلا دی ہے۔

معجزہ نمبر ۲۰

روضہ حضرت عباسؑ پر خود بخود پستول سے گولی چل گئی

یا علی عباسؑ غازیؑ صاحب تاج و سریر — سب کے تم مشکل کشا ہو کیا غریب و امیر

نظارہ لکھنؤ کے نامہ نگار ۱۳۰۶ھ کی اشاعت میں ۱۹۰۸ء سے ۱۹۱۱ء

روضہ مبارک حضرت ابوالفضل العباس علیہ السلام پر ہونے والے معجزات کو تحریر فرماتے ہیں کہ نماز صبح کے بعد جب میں بارگاہ حضرت عباسؑ علمدار میں حاضری کی غرض سے پہنچا تو کفش کن نے مجھے روضہ مبارک میں داخل ہونے سے روکا اور کہا حضرت عباسؑ نے ایک شخص کو گولی ماردی ہے جب تک حکام اور پولیس نہ آئے اس وقت تک کوئی اندر نہیں جا سکتا۔ ایک گھنٹہ بعد پولیس اور ڈاکٹر آئے اور روضہ مبارک میں داخل ہوئے یہاں ان کو ایک عبرتناک منظر دیکھنے میں آیا۔ وہ یہ تھا کہ مرقد اطہر کے پاس بالائے منبر ایک شخص دیوار سے لگا بیٹھا ہے ایک سفید چادر اس کے جسم کو ہر طرف سے گھیرے ہوئے ہے اور ضریح اقدس اور اس شخص کے درمیان ایک چھ کارتوس والا ریوالور پڑا ہے۔ لیکن چادر یا زمین وغیرہ پر کوئی دھبہ خون کا نظر نہیں آیا۔ ڈاکٹر نے اس شخص کے جسم سے چادر ہٹائی تو اس کے جسم پر معدہ کی جگہ گولی کا سوراخ معلوم ہوا جو چاروں طرف سے سیاہ پڑ گیا تھا۔ اسکی لاش کو الٹا کر کے پشت کی جانب دیکھا تو ادھر بھی گولی پار ہو جانے کا نشان تھا۔ مگر کوئی گولی کہیں ملی نہ جس دیوار سے یہ لگا بیٹھا تھا گولی کا نشان تھا جسم میں ایک لمبی سلائی پاس کر کے دیکھا تو وہ ادھر سے ادھر تک پاس ہو گئی جس پر ڈاکٹر اور پولیس کو یہ شبہ ہوا کہ اسکو دوسری جگہ گولی ماری گئی ہے اور لاش یہاں لاکر رکھدی گئی ہے۔ لاش کو کئی مرتبہ الٹ پلٹ کر دیکھا مگر ایک قطرہ خون کا نہیں نکلا بعد ازیں میت کو صحن اقدس میں لاکے در قبلہ کے سامنے جیسے ہی گیا ایک خون کا دریا جاری ہو گیا جس کے بعد ڈاکٹر اور سپرنٹنڈنٹ پولیس دونوں کی زبانوں سے یہ جملہ نکلا "ھذا اعجاز العباسؑ" یہ بیشک حضرت عباس علیہ السلام ہی

کا معجزہ ہے۔

معجزہ ۲۱

جھوٹے کو فوراً سزا ملی۔

اس ہی طرح ایک دن ایک اور معجزے سے دو چار ہونا پڑا واقعہ یہ ہے کہ ایک دن نماز مغربین پڑھ کے ہیں امام حسین علیہ السلام کے ایوان طلائی کی فصیل پر چہل چراغ کے سامنے اپنے بعض احباب کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا کہ ایک شور و غوغہ سنائی دیا۔ ہم لوگ بھی اس سمت کی طرف دوڑے چند آدمی ایک شخص کو ہاتھوں میں میّت کی طرح اٹھائے ہوئے لا رہے ہیں اور پیچھے ایک مجمع کثیر ہے جن کی زبان پہ یہ جملہ جاری ہے۔ "ابوالفضل العباس سیلی زادند" ہم نے دیکھا کہ اس کا منہ داہنی جانب گھوم گیا اور منہ سے رال جاری ہے اور کوئی لفظ زبان سے نہیں نکل رہا ہے جو کچھ کہنا چاہتا ہے کہنے پر قادر نہیں لانے والوں نے اس کی شال کو کمر سے کھول کے ایک سرا اس کی گردن میں باندھا اور ایک سرا ضریح اقدس امام مظلوم میں باندھ دیا۔ اور ضریح کے پاس لٹا دیا۔ تقریباً ایک گھنٹہ اس کی زبان سے حرف اتنا نکلا کہ "برساں نزد عباسؑ" لوگ روضۂ عباسؑ میں فوراً اس کو لے گئے اور پھر اس شخص کو یہاں بھی اسی طرح باندھ دیا۔

جب اسکو کچھ دیر کے بعد ہوش آیا تو اس نے بیان کیا کہ میں نے ضریح کے پاس جھوٹی قسم کھانے کا ارادہ کیا تھا کہ مجھے معلوم ہوا کہ میرے رخسار پر ایک ہتھوڑا پڑا اور میں زمین سے تقریباً گز بھر اوچھل کر اوندھے منہ گر پڑا۔ اس کے بعد مجھے دنیا و مافیہا کی خبر نہ تھی۔ اس عالم بے ہوشی میں میں نے ایک آواز سنی کہ جا ہم نے عباسؑ نے تیری سفارش کر دی ہے۔ وہ تیری خطا

کر دیں گے۔ اس وقت میں اتنا کہہ سکا کہ مجھے خدمت حضرت عباسؑ میں لے چلو یہ اعجاز دونوں بھائیوں کے اقتدار پر گواہ ہے۔ (تیسرا معجزہ)

معجزہ ۲۲

روضہ عباسؑ پر لٹکی ہوئی تلوار ایک سیّد زادہ کے پاس آ کر خود گری

واہ کیا اوج تھا اس فوج کا کیا جاہ و حشم
ہاتھ میں حضرت عباسؑ کے لشکر کا علم
(کامل لکھنوی)

ایک نوجوان سیّد نے ایک بزرگ سیّد کی دختر سے عقد کا پیغام دیا۔ ان بزرگ سیّد نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ میری لڑکی نجیب الطرفین سیدہے اس کے کفو نہیں ہو سکتے اس لئے میں یہ رشتہ منظور کرنے سے معذور ہوں یہ نوجوان خود بھی نجیب الطرفین تھا۔ اس کے دل پر اس جواب سے سخت چوٹ لگی۔ افسردہ و غمگین روضہ ابوالفضل العباسؑ پر حاضر ہو کر ضریح اقدس سے لپٹ کر زار و قطار رونے لگا اور التجا کرنے لگا کہ مولا اگر واقعی میں سید نجیب الطرفین نہیں ہوں تو مجھ کو ہدایت فرما دیجئے تاکہ میں آئندہ کسی نجیب الطرفین سید کی خواہش نہ کروں اور اگر میں سید نجیب الطرفین ہوں تو مجھے کوئی سند مرحمت ہو۔ جب اس کی گریہ و زاری حد سے تجاوز کر گئی تو گنبد روضہ کے بالائی حصہ سے ایک سبز کپڑے کا دو گز لمبا ٹکڑا اس پر آ کے

۱؎ کربلا میں سید لوگ اپنے سر پر سبز یا کالا کپڑا ڈال کر رکھتے ہیں۔

گرا جو اس نے فوراً سر پر لپیٹ لیا۔ نیز گنبد کے چاروں گوشوں میں کچھ اسلحہ از قسم خنجر و شمشیر وغیرہ ٹکے رہتے ہیں۔ ان میں سے ایک تلوار از خود اسلحہ سے نکلکر نوجوان کے آگے گری جو اس نے اٹھالی خادم نے یہ خیال کر کے کہ شاید اتفاق سے تلوار گر پڑی نوجوان سے چھین لی تلوار پھر خادم کے ہاتھ سے چھوٹ کے نوجوان کے پاس گری۔ تین مرتبہ یہی ہوا۔ کلید بردار نے کہا تلوار حضرت نے اسے عطا کی ہے وہ اس سے لینے کی کوشش نہ کرے یہ خبر شہر میں آگ کی طرح مشہور ہو گئی۔ لوگ جمع ہو گئے اور اس کے کپڑے تار تار کر کے تبرک کے طور پر لے گئے۔ اس طرح لوگ اپنے اپنے گھروں سے کپڑے لاتے اس کو پہناتے اور پھر نوچ کر لے جاتے۔ اس طرح یہ سلسلہ عشار کی نماز تک جاری رہا۔

معجزہ ۲۳

آخری مغل تاجدار بہادر شاہ ظفر نے عباسؑ کی درگاہ پر منتی علم چڑھوایا۔

رو کے کہتے تھے اکبرؑ نہیں عباسؑ نہیں
اب امانت کوئی خالق کی میرے پاس نہیں

(مرزا دبیر)

مغلیہ خاندان کے آخری فرمانبروا بہادر شاہ ظفر کے شیعہ مشہور ہونے میں صاحب یادگار غالب مولانا الطاف حسین حالی نے لکھا کہ جبکہ بہادر شاہ ظفر کو دہلی میں بیماری سے کسی طرح آرام نہ ہوا تو مرزا حیدر شکوہ کی صلاح سے بادشاہ کو "خاکِ شفا" دی گئی اس کے بعد بادشاہ صحتمند ہو گیا

مرزا حیدر شکوہ نے منت مانی تھی کہ بادشاہ کو جب صحت ہو جائے گی تو حضرت عباس علیہ السلام کی درگاہ پر جو لکھنؤ رستم نگر میں واقع ہے علم چڑھاؤں گا پروفیسر مسعود حسن رضوی مرزا حیدر شکوہ کے بیان کو نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ بادشاہ ظفر نے بیماری کی حالت میں ایک خواب میں خود کو حضرت عباسؑ علیہ السلام کی درگاہ میں علم چڑھاتے ہوئے دیکھا۔

صحت ہوئی تو ایک سونے کا علم بنوا کر مرزا حیدر شکوہ کے بھائی مرزا نور الدین کے ہاتھ لکھنؤ بھیجا اور انھوں نے وہاں رستم نگر میں واقع درگاہ حضرت عباسؑ پر علم مبارک چڑھایا۔ اور جب مرزا حیدر شکوہ دہلی آئے تو خود بادشاہ نے اس خواب کا حال سنایا اور تاکید کی کہ علم چڑھا دیا جائے جس کی تعمیل کی گئی اس کے علاوہ مانک رام نے بھی بہادر شاہ ظفر کی بیماری کا حال لکھتے ہوئے یہی تحریر کیا ہے اور مرزا غالب کی زبانی لکھا کہ حضرت بادشاہ سلامت سوکھ کر کانٹا ہو گئے تھے۔ رک رک کر وہ ایک باتیں کیں اور ارشاد فرمایا کہ آج ایک عجیب بات ہوئی۔ فجر کی نماز کے بعد یوں ہی ذرا میری آنکھ جھپک گئی تو میں نے خواب دیکھا کہ میں حضرت عباس علیہ السلام کی درگاہ پر علم چڑھا رہا ہوں اس پر مرزا نور الدین نے عرض کیا کہ جہاں پناہ یہ رویائے صادقہ ہیں اور اشارۂ غیبی ہے۔ اب خواب کو ضرور پورا ہونا چاہیئے۔ اور بادشاہ نے صحت یابی کے بعد مرزا نور الدین کے ذریعہ درگاہ حضرت عباس علیہ السلام پر علم چڑھوایا۔ یہ حضرت عباسؑ کے علم مبارک کی کرامات تھی کہ بہادر شاہ ظفر صحتیاب ہو گئے اور بعد میں انھوں نے مذہب حقہ (یعنی شیعہ) اختیار کر لیا۔

بہادر شاہ ظفر کے شیعہ ہونے کے متعلق ریاست رام پور کے کتب خانہ میں فارسی میں ایک کتاب (دستور العمل اودھ) ہے اس کتاب کا نمبر ۲۲۹ ہے اس کتاب میں سلطان العلما مولانا سید محمد صاحب قبلہ مجتہد لکھنوی کے

عرائض اور شاہی احکام چند فتوی اور مختلف خطوط ہیں۔ ان خطوط کی سطروں میں دہلی کے آخری فرمانروا بہادر شاہ سراج الدین ظفر اور مرزا غالب کی زندگی کے ایک خاص واقعہ پہ روشنی پڑتی ہے۔

خاندان تیموری کے چند شہزادوں نے لکھنؤ آکر شیعہ مذہب اختیار کرلیا تھا۔ ان میں سے بعض شہزادوں نے یہ بھی کہا کہ بادشاہ بھی شیعہ ہوگئے ہیں اور بادشاہ کی طرف سے مہری شقہ بھی انھوں نے پیش کیا۔ شاہ ابوظفر بہادر شاہ نے سلطان العلماء سید محمد صاحب مجتہد لکھنؤ کو یہ تحریر مہر لگاکر بھیجی جو ذیل میں درج کی جاتی ہے۔

بحمداللہ والمنۃ کہ محبت ولائے اہل بیت علیہ السلام بہ دل اختیار کردم واز کلی اعدائے علی ابن ابی طالب علیہ السلام قطعی تبرہ نمودم و تعمیر امام بارہ شروع گردید۔ بعد التماش مجالس تعزیت جناب سید الشہداء علیہ التحیۃ والثناء زیب تزئین خواہد پزیرفت از سعی من والاتمام من اللہ مدارج دینیہ کہ برآں مفصل راسخ ام بہ زبان برخوردار کار گار والا تبار سعادت اطوار مرزا محمد حیدر شکوہ بہادر کہ درایں خصوصی رازدار است دریافت خواہد گشت۔ زیادہ برکات

مہر۔ سراج الدین ظفر

بہادر شاہ دہلی

اردو ترجمہ:۔ اللہ کا شکر ہے کہ محبت اہل بیت علیہ السلام دل سے میں نے اختیار کی اور حضرت علی علیہ السلام کے دشمنوں سے قطعی تبرا کیا ہے۔ امام باڑے کی تعمیر شروع ہوگئی ہے۔ عمارت تمام ہوجانے کے بعد جناب سید الشہداء کی مجالس تعزیت ہوا کرے گی۔ میری کوشش ہے۔ انجام اللہ کے ہاتھ ہے مفصل مدارج دین کے جن کے اوپر میں راسخ ہوں مرزا حیدر شکوہ بہادر کی زبانی معلوم ہوں گے وہ اس معاملہ میں رازدار ہیں۔

تمام ہو جانے کے بعد جناب سید الشہداء کی مجالس تعزیت ہوا کرے گی میری کوشش ہے انجام اللہ تعالیٰ کے ہاتھ ہے۔ مفصل مدارج دین کے حق کے اوپر میں راسخ ہوں مرزا حیدر شکوہ بہادر کی زبانی معلوم ہوں گے۔ وہ اس معاملہ میں رازدار ہیں یہ فارسی تحریر اور اس کا ترجمہ ڈاکٹر عبدالقیوم صاحب کی کتاب صفحہ ۱۲۳ پر ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔ یہ کتب لاہور میں مجلس ترقی ادب کے اہتمام سے ۱۹۶۷ء میں طبع ہوئی ہے۔ اس کتاب کا نام "حالی کی اردو نثر نگاری" ہے۔

(بحوالہ رضا کار لاہور جون ۱۹۸۱ء تحریر ڈاکٹر خاور بگرامی کراچی)۔

٭٭٭

معجزہ ۲۴

حضرت عباسؑ نے لڑکے کے کٹے ہوئے ہاتھ جوڑنے کے بعد قید سے رہائی دلادی

یا علیؑ عباس غازیؑ صاحب تاج و سریر
سب کے تم مشکلکشا ہو کیا غریب و کیا امیر

(نظیر اکبر آبادی)

جناب اسد ادیب بدایونی ایم اے نامہ نگار نظارہ لکھنؤ نے طویل مقالہ تحریر کیا جس میں حضرت عباس علیہ السلام کے ایک معجزہ کا تذکرہ کیا۔ اس معجزہ کو جناب نظیر اکبر آبادی نے خمسہ کے طور پر نظم بھی کیا ہے۔ اس مقالہ کا عنوان "نظیر اکبر آبادی اور مدح اہلبیتؑ" ہے جس میں اسد ادیب بدایونی تحریر فرماتے ہیں۔

ہیں کہ شہر ارکاٹ ضلع کرناٹک دکھن میں ایک ساہوکار رہتا تھا۔ اس کا ایک خوبرو فرزند جوان تھا محرم کا چاند نکلتے ہی یہ لڑکا عزاداری بجاتا تھا تعزیوں کے ارد گرد طواف کرتا لوگوں نے اس لڑکے کے باپ سے اس کی شکایت کی۔ باپ نے لوگوں کے کہنے سے غصے میں آکر سخت تنبیہہ کی کہ عزاخانوں میں نہ جایا کرے مگر یہ لڑکا نہ مانا اور برابر عزاخانوں میں زیارت اور ماتم داری کے لئے جاتا رہا۔

آخر باپ نے سزا کے طور پر اس کا ہاتھ کاٹ دیا اور ایک تنگ و تاریک کوٹھری میں قید کر دیا۔ خدا کا کرنا وہاں حضرت عباسؑ علمدار اپنے اعجاز سے تشریف لائے اور آپؑ جناب نے اپنے اعجاز سے ساہوکار کے اس لڑکے کا ہاتھ حب آلِ محمدؐ کے انعام کے طور پر جوڑ دیا۔ اور قید تنہائی سے رہائی بھی دلادی چنانچہ جب اس لڑکے کے باپ نے اپنے اس لڑکے کو دیکھا تو مع خاندان اور بہت سے دوسرے افراد کے ساتھ ایمان لے آئے اور کربلا کی زیارت کو گھر سے نکل کھڑے ہوئے (صلوٰۃ محمد وآل محمد علیہ السلام پر)

اس پورے معجزے کا نقشہ نظیر اکبر آبادی نے خمسہ میں اسطرح پیش کیا ہے۔

(۱) تعزیہ کے سامنے ہو کر مؤدب سر جھکا
مورچھل لے روضہ ضریح پاک پر جھلتا کھڑا
جب علم اٹھتے تو پھر لڑکوں کے ساتھ آنسو بہا
یاحسینؑ بن علی کہہ کر علم لیتا اٹھا
لوگ دیکھ اوس کی محبت ہوئے تھے حیران کار

(۲) شام سے آکر وہ قندیلیں جلاتا دم بدم
قمقمے اور جھاڑ پر شمعیں چڑھاتا دم بدم
عود سفر رواں میں اگر لا کر گراتا دم بدم

اہل مجلس کے تئیں شربت پلاتا دم بدم
سب وہ کرتا تھا غرض جتنا کہ واں تھا کاروبار

(۳) اپنا بیگانہ اسے جاکر بہت سمجھاتا تھا
پر کسی کا کب کہا خاطر میں اس کی آتا تھا
رونا اور ماتم ہی کرنا دل کو اس کے بھاتا تھا
تعزیہ خانوں کی جانب جو وہ دوڑا جاتا تھا
جس طرح عاشق کسی معشوق کا ہو بے قرار

اس کے بعد باپ نے لڑکے کا ہاتھ کاٹ دیا حضرت عباسؑ قید خانہ میں آئے اور ہاتھ جوڑ دیا۔ لڑکے نے پوچھا یا حضرتؑ آپ کون ہیں نام تو فرمائیں۔

(۴) یہ ہمارا ہے نشاں اے پاک طینت متقی
نام کو پوچھے تو ہے گا نام عباسؑ علیؑ
کربلا کے دشت میں دولتِ شہادت ملی
جو ہمیں چاہے ہمارا بھی اسے چاہے ہے جی
جو ہمارا غم کرے ہم بھی ہیں اس کے غم گسار

صبح کو جب کوٹھری کا در کھلا۔

(۵) صبح کو اس کوٹھری کا خود بخود در کھل گیا
باپ ماں دیکھیں تو اس کا ہاتھ تن سے جو ملا۔
پوچھا یہ کیا تھا جو کچھ دیکھا تھا اس نے کہہ دیا
سنتے ہی دونوں نے پھر تو صدق سے کلمہ پڑھا
ہاتھ میں تسبیح لی زنّار کو ڈالا اتار

(۶) الغرض ماں باپ اس پہ جان و دل سے فدا
لے کے لڑکے کو چلے دشت سوئے کربلا

راہ میں کرتے تھے لوگ اس کی زیارت جابجا
جب وہ منزل پر اترتے تھے تو واں کے لوگ آ
دم بدم کرتے تھے اس بیم و زر اپنا نثار

اس کے بعد ساہوکار کا سارا خاندان زیارت سقارحرمؑ سے مشرف ہوا اور وہاں پر نذر چڑھائی۔

نظیر کہتے ہیں۔

یا علیؑ عباسؑ غازی صاحب تاج و سریر
سب کے تم مشکل کُشا ہو کیا غریب و کیا امیر
جان و دل سے اب تمہارے نام کا ہو کر فقیر
یہ غلام روسیاہ اب جس کو کہتے ہیں نظیر
آپ کے فضل و کرم کا یہ بھی امیدوار

نظیر اکبرآبادی کی اس مخمس کو جس کے کل اسی اشعار تھے ۱۹۵۱ء میں ہندوستانی اکیڈمی الہ آباد نے شائع کیا۔

یہ کرامت غلطی آج سے ۱۴۰ سال پہلے قدیم ہندوستان کی ہے صاحب موسع الغموم نے اپنی کتاب میں ایسا ہی ایک واقعہ مملکت ایران عباس آباد کا درج کیا ہے۔ جس کو آپ اس ہی کتاب میں پڑھ چکے ہیں۔ یہ باب الحوائج ہیں یہاں ایک معجزہ کیا ہزاروں معجزے ایک ہی نوعیت کے ہوتے ہی رہتے ہیں۔

معجزہ ۲۵

چلتی ریل گاڑی سے گرنے والا بچہ زندہ بچ گیا

آنسو رواں تھے غیرت الیاس کے لئے
شبیرؑ یوں ہی روتے تھے عباسؑ کے لئے

تقسیم ہند سے پہلے پٹنہ عظیم آباد بہار سے ایک قافلہ بغرض زیارت سیدالشہداء علیہ السلام روانہ ہوا۔ ناتجربہ کاری کی وجہ سے اس تیز رفتار گاڑی سے ایک عورت کی گود سے کھڑکی کے ذریعہ ایک بچہ ڈبہ کے باہر گر گیا۔ بچہ کا گرنا تھا کہ سارے ڈبہ میں ایک کہرام مچ گیا۔ نا امیدی اور مایوسی کے عالم میں جب اسٹیشن آیا۔ ڈبہ سے لوگ قانونی کارروائی کے لئے اترے تو کیا دیکھتے ہیں کہ اسٹیشن پر ایک شخص اس ہی بچہ کو گود میں لئے ٹہل رہا ہے۔ لوگوں نے اس آدمی کو غور سے دیکھا تو وہ قریب آیا اور بچہ کو دے کر ایک سمت کی طرف چلا گیا۔ (صلوٰۃ محمدؐ و آل محمد علیہ السلام پر)

(بحوالہ کتاب سوانح حیات حضرت عباسؑ از آقا مہدی لکھنوی صفحہ نمبر ۲۵۴)

بھائیوں اس پر تعجب کی کوئی بات نہیں یہ سب تو تفسیر ہے رجز کے اس مصرعہ کی جس میں قسم کھا کر فرمایا ہے کہ واللہ میں ابد تک دین کی نصرت کرتا رہوں گا۔ اگر بچہ ضائع ہو جاتا تو اس طرح (۱) ایک بے گناہ کی جان جاتی۔ (۲) ماں باپ کی ایک نسل قطع ہو جاتی۔ (۳) شوق زیارت گھٹتا (۴) عقیدہ کی کڑیاں ٹوٹتیں (۵) حیات شہداء کا یقین اور قرآن کریم کی آیت "بل احیاءٌ" غلط ہو جاتی (۶) خود مولاؑ کا وعدہ غلط ہوتا۔ (۷) بچہ جو چوٹ کھا کر مرجاتا اس کی لاش کیا ہوتی اسلئے بچہ کا محفوظ رہنا لازم تھا انہی خدمات سے معرفت الٰہی ہوتی۔

ہم پر تو مومنین کی مدد ضروری ہے (اہلبیتؑ) یہ واقعہ اپنے اندر ایک روشن پہلو یہ بھی رکھتا ہے کہ بچہ کا نام گھر سے نکلنے کے بعد زائروں کی فہرست میں لکھا جا چکا تھا۔ اس طرح زائرہ کے اطفال بھی زائر اور زائرہ کے لئے امام محمد باقر علیہ السلام کا وعدہ ہے ہمارے شیعوں کو زیارت سیدالشہداء کا حکم دو۔ زیارت حسینؑ کسی عمارت میں گرنے پر دب کے مرنے اور آگ لگنے

اور غرق ہونے اور درندوں کا لقمہ ہونے سے بچاتی ہے۔ چلتی گاڑی سے بچہ کا گرنا حدیث کے اصل لفظ "تدفع الھدام" کے تحت میں حفاظت کی ضامن ہے اہلِ حرم کی گودیاں خالی ہوئیں مگر انھیں یہ مطلوب نہیں ہے کہ زائرہ کی آغوش سے اس کا بچہ جدا ہو۔

معجزہ نمبر ۲۶

حضرت عباسؑ نے ڈوبتے ہوئے جہاز کو بچا لیا

سر پیٹ کے کہتی تھی حجہ یہ ہائے چچا جانؑ
لاشے سے بھی آتی تھی صدا ہائے سکینہؑ

(راجہ محمد امیر احمد)

ابو اطلیل مولانا سید راحت حسین صاحب بھکپوری ۱۳۴۰ھ میں پہلے پہل بغرض زیارت عراق گئے۔ زیارت سید الشہداءؑ سے مشرف ہونے کے بعد وطن واپسی کا حال انکی زبانی سنیئے۔

راستہ میں جہاز سمندر کے ایک خوفناک طوفان میں پھنس گیا ہر چار طرف پانی کا سمندر میں تلاطم مچا ہوا تھا جہاز کے ناخدا نے تمام دریچوں کھڑکیوں کو بند کرنے کی تاکید کی۔ ایسا لگتا تھا کہ کسی بھی لمحہ جہاز پانی میں ڈوب جائے گا۔ ناخدا نے کہا کہ اب اللہ اللہ کرو جن کی زیارت کو تم لوگ گئے تھے ان کو پکارو۔ میں نے ایسا زبردست طوفان زندگی میں نہیں دیکھا۔ یہ طوفانی رات کیسی گزری کچھ بتایا نہیں جا سکتا

مولوی صاحب ارشاد فرماتے ہیں کہ کچھ لوگ نوحہ و ماتم یا حسینؑ مظلوم یا ابو الفضل عباسؑ کہہ رہے تھے اور کچھ ماتم کرتے کرتے سو گئے اس سفر میں ہمارے ہمسفر سرکار ناصر الملۃ کے برادر زادہ حکیم سید ساجد حسین

ساجد لکھنوی محمد میاں اور نواب حشمت علی خاں رئیس حیدرآباد دکھن بھی تھے۔ صبح کے وقت عرشہ سے نواب حشمت علی خاں روتے ہوئے نیچے آئے اور رات کو سوتے میں جو انھوں نے خواب دیکھا تھا اسکو بیان کرنے لگے یہاں پر پہلے ہی سے محمد میاں ملازم خاص سرکار ناصر الملّتہ بھی رو رو کر اپنا خواب بیان کر رہے تھے۔ دونوں کے خواب کا مضمون ایک ہی تھا کہ وقت سحر یہ دیکھا کہ حضرت عباس علیہ السلام نیزہ لئے ہوئے سمندر پر گھوڑا دوڑاتے ہوئے تشریف لائے اور جہاز کو اپنے نیزہ پر غرق ہونے سے روک لیا اور فرمایا تم لوگ پریشان نہ ہو غم نہ کرو۔ جہاز اس تلاطم سے بچ گیا۔ یہ خواب سنکر تمام زائرین نے شکرانہ کی نماز ادا کی مجلس حسین علیہ السلام اس ہی جہاز میں منعقد ہوئی اور جہاز اس ہی دن صحیح و سالم کراچی کی بندرگاہ سے لگ گیا۔ ہم سب لوگ جہاز سے اترے دوسرے دن غلام حسین خالقدینا ہال میں سیٹھ نور محمد لال جی ملک التجار کی صدارت میں ایک جلسہ کا اہتمام کیا گیا اس جلسہ میں جناب ابوالجلیل مولوی سید راحت حسین صاحب بھکپوری نے ایک پُر اثر و پُر درد سفر عراق و کراماتِ عباسیہ پر لکچر دیا جس نے حاضرین کے دلوں پر ایک قیامت برپا کر دی۔" (بحوالہ اخبار نظارہ ابوالفضل العباسؑ نمبر لکھنؤ ۱۴ ستمبر ۱۹۵۳ء جلد ۲۴۔ نمبر ۱۔۲ صفحہ ۲۴۔ کالم ۲)

معجزہ ۲۷

ہندو بنیئے کی آنکھ ٹھیک ہوگئی

حل کیجیے مشکل میری اب یہ ستم ہے

عباسؑ علیؑ تم کو سکینہؑ کی قسم ہے

عالی جناب آغا مہدی صاحب لکھنوی اپنی مشہور زمانہ کتاب العبد الصالح مسمی بہ سوانح حضرت عباسؑ دلاور صفحہ نمبر ۲۹۶ میں ہندوستان کے شہر اعظم گڑھ (یوپی) کا ایک واقعہ جو حضرت عباس علیہ السلام کے معجزہ سے متعلق ہے تحریر فرماتے ہیں کہ یہاں حضرت عباس علیہ السلام کی ایک درگاہ تھی۔ اس ہی علاقے کے ایک ہندو کی آنکھ جاتی رہی کچھ عرصہ بعد دوسری آنکھ پر بھی بصارت باقی نہ رہنے کی کیفیت طاری ہوئی۔ اس نے لوگوں سے کہا کہ مجھے عباسؑ بابا کی درگاہ پر لے چلو۔ لوگ اس کو اس درگاہ پر لے آئے۔ اس ہندو نے درگاہ کے دروازے پر بیٹھ کر داد فریاد کی اور یہاں کی خاک اپنی آنکھوں میں لگائی۔ کچھ دیر کے بعد اس شخص کی آنکھ ٹھیک ہوگئی۔ اور اس نے اعتراف کیا کہ جتنی روشنی دونوں آنکھوں میں تھی اتنی تو روشنی صرف اس آنکھ میں ہے۔

بھائیوں آنکھوں کا نور پلٹانا حضرت عیسیٰ کا معجزہ تھا جسکو مسیح کربلاؑ نے تیرہ سو برس بعد دنیا کے سامنے پیش کر رہے ہیں۔ صرف یہ فرق عیسیٰؑ اور عباسؑ میں ہے کہ عیسیٰؑ جس مریض پر ہاتھ پھیرتے تھے تندرست ہو جاتا تھا اور عباسؑ کی منسوب بارگاہ شفا بخش رہی ہے۔ وہ عین اللہ کے فرزند ہیں۔

معجزہ

کانپور (یوپی) انڈیا میں واقع محلہ گوال ٹولی کربلا کا ایک حیرت انگیز معجزہ

اس تشنہ لب کی پیاس پہ صدقے حیات قوم
سقہ تھا جس کا شیر نیستان کربلا۔ (نجم آفندی)

سید غیور حسین نقوی ناشر کتاب ہٰذا حال مقیم امام بارگاہ ام البنینؑ حسن کالونی کراچی نے بھی سقائے سکینہؑ علمدار فوج حسینی کا تقسیم ہند سے پہلے کا ایک اعجاز بیان فرمایا کہ شہر کانپور یوپی (انڈیا) محلہ گوالٹولی میں ایک مشہور نوابوں کی بنوائی ہوئی کربلا ہے یہاں شہر کے تمام تعزیئے یوم عاشورہ اور چہلم امام عالیمقام کے موقع پر دفن ہوتے تھے اور آج کل بھی ہو رہے ہیں یہ کانپور شہر کی مشہور کربلا ہے۔ اس کے اطراف میں مسلمانوں کے گھرانے آباد تھے جس میں کچھ اہلسنت والجماعت سے تعلق رکھنے والے حضرات بھی تھے۔ اس میں کچھ گھرانے دھوبیوں کے بھی تھے۔ ان میں سے ایک گھرانا کٹر وہابیوں کا تھا جو اپنے بچوں کو امام بارگاہ جانے مجلس اور تعزیہ وغیرہ کے جلوس میں شرکت تک کرنے سے منع کرتا تھا۔ اگر کوئی بچہ چوری چھپے مجلس و امام بارگاہ میں آجاتا تھا۔ تو یہ دھوبی اس بچہ کو بہت مارتا تھا۔ ایکدن دوپہر کا وقت تھا محلہ کے کچھ بچے جس میں اس دھوبی کا بچہ بھی شامل تھا کھیلتے ہوئے امام بارگاہ میں آگئے اور اس کے صحن میں لگے ہوئے بیری کے درخت سے بیر توڑنے لگے ناگاہ کیا دیکھتے ہیں کہ ایک گھوڑے سوار منہ پر نقاب ڈالے امام باڑے کے اندر سے صحن کی طرف آرہا ہے سارے بچے ایکدم سے ڈر گئے اور امام بارگاہ کی دیوار پھاند کر باہر بھاگ گئے لیکن دھوبی کا لڑکا ایک چیخ مار کر بے ہوش ہوگیا۔ سارے لڑکے شور مچاتے ہوئے اس دھوبی کے گھر گئے اور جاکر کہا کہ تمہارے بچے کو ایک نقاب پوش گھوڑے سوار نے امامباڑے کے صحن میں کچلدیا ہے جس کی وجہ سے اس کی ایک زبردست چیخ نکلی اور وہ وہیں پر پڑا ہے۔ ہم لوگ بھاگ آئے ہیں۔ اب کیا تھا سارے دھوبی اور اس محلہ کے دیگر لوگ بھاگتے ہوئے امام باڑے میں آئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ امام باڑے کے اندر سے صحن میں بیری کے پیڑ تک گھوڑے کے نال کے نشان ہیں جہاں جہاں نال کے نشان تھے۔ اس زمین کی مٹی جل گئی ہے اور لڑکا بیری کے پیڑ کے نیچے

پڑا ہوا تھا لڑکے کی ماں نے اس کو گود میں اٹھایا لوگ اس کے منہ پر پانی ڈالنے لگے تاکہ اس لڑکے کو ہوش آجائے۔ لیکن وہ اس ہی طرح بے ہوش پڑا رہا۔ ناگاہ اس لڑکے نے آنکھ کھولی اور ایک زوردار چیخ ماری۔ مجھ کو بچاؤ وہ دیکھو سامنے گھوڑے سوار جن کے ہاتھ میں ہیں گھوڑا میرے اوپر چڑھائے دیتے ہیں۔ اور پھر یہ بچہ بے ہوش ہو گیا۔ وہاں موجود ایک بزرگ نے دھوبی سے کہا کہ تو مجلس ماتم تعزیہ اور علم کو برا بھلا کہتا ہے جس کو حضرت عباس علمدار برداشت نہیں کر سکے۔ اور تنبیہہ کے طور پر اس بچہ کو بیہوش کر دیا ہے اب کیا تھا دھوبی کے ساتھ ساتھ تمام حاضرین نے جناب عباسؑ علیہ السلام سے فریاد کرنا شروع کر دی تھوڑی دیر کے بعد بچے کو ہوش آگیا۔ ماں خوشی خوشی بچہ کو امام بارگاہ سے گھر لے گئی۔ دھوبی نے معافی مانگی کہ آئندہ وہ اس سلسلے میں کچھ نہیں کہے گا۔ اتنی دیر میں سارا شہر وہاں جمع ہو گیا۔ اور گھوڑے کے ٹاپ کے نیچے کی جلی ہوئی مٹی تبرک کے طور پر لے گئے اور بیری کے درخت کے نیچے جہاں چار ٹاپوں کے نشان تھے وہاں آج بھی گڑھا ہے اور پیڑ میں ہزاروں منتی دھاگے بندھے ہوئے ہیں۔ لوگ آج بھی یہاں آکر مرادیں اور منتیں مانگتے ہیں جس کو باب الحوائج پوری کرتے ہیں۔

معجزہ ۲۹

نیپال کی ترائی میں نبی کے لال کا ماتم

لوگ یہاں حسینؑ کے بھائی عباسؑ کے علم کے ساتھ قرولی چھری

ماتم کرتے ہیں۔ یہی وہ غم ہے جس میں ہر قوم شریک ہے۔

عباسؑ کی شجاعت رہ جاتی تھی تڑپ کر
بچے بلک بلک کر جب مانگتے تھے پانی

شری چندر بان پرشاد کا تعلق ہندو مذہب سے تھا جو ہندوستان کے ہلور تحصیل ڈومریا گنج اسٹیشن ضلع بستی (یو.پی) کے رہنے والے تھے اس قصبے میں اکثریت شیعہ سادات کی آباد تھی اور آج کل بھی ہے۔ شری جی صاحب علم اور انصاف پسند طبیعت کے مالک تھے۔ علاقہ کی سادات برادری سے ان کے گہرے مراسم تھے جس کی وجہ سے اکثر مجالس و محافل میں ان کی شرکت ہوتی تھی جہاں یہ علوم آل محمد سے مستفیض ہوتے رہتے تھے۔ طلب سچی ہو تو ہدایت بھی ملتی رہتی ہے۔ صاحبان علم کی صحبت اور دینی کتب کے مطالعے نے ان کے دل میں اسلام کی حقانیت اور برتری کو تسلیم کرنے کی شمع جلا چکی تھی۔ اس ایک واقعہ نے جس کا آگے چلکر بڑی تفصیل سے ذکر آئے گا ان کی بالکل ہی کایا پلٹ دی۔

شری چندر بان پرشاد ۱۹۵۰ء میں حکومت نیپال کی جانب سے فارسٹ سروے افسر کے عہدے پر فائز تھے اور حکومت کی جانب سے علاقہ کے جنگلات کا سروے کر رہے تھے کہ دوران سروے جو واقعہ پیش آیا اس کو انکی زبانی سنیئے۔

ہم کو ہمیشہ سے انسانیت کی راہ دکھانے والے رہبر اعظم حسینؑ کے کارناموں کو سننے اور پڑھنے سے دلچسپی تھی۔ چنانچہ ڈومریا گنج اسٹیشن کے دوران قیام میں حضرات ہلور سے اس معاملے میں کافی امداد ملتی رہی اور ہماری معلومات میں اضافہ ہوتا رہا۔ انہوں نے واقعات کربلا کے متعلق بہت سی ایسی نادر اور نایاب کتابیں مجھ کو عطا کی ہیں کہ میں کبھی بھی ان کے احسان سے سبکدوش نہیں ہو سکتا اور انہیں کتابوں اور ہلور شہر کی سالانہ مجالس جو کہ انجمن گلدستہ ماتم اور فروغ ماتم سے منعقد ہوتی تھیں جن کو باہر سے آئے ہوئے مشہور زمانہ جید علماء کرام رونق بخشتے تھے انہی مجالسوں کی بدولت میں چند شیعہ حضرات سے بھی زیادہ تاریخ کربلا کے متعلق جانتا ہوں اب ایک واقعہ میں سناتا ہوں جو کہ پچھلے سال میری نظروں سے گزرا اور اسی وقت سے میں اور

اہنسا کے اس پجاری حسینؑ کا پیروکار ہو گیا۔

واقعہ یہ ہے کہ ۱۹۴۹ء میں ماہِ محرم میں نیپال کے شمالی جنگلوں میں ہاں کی پیمائش کر رہا تھا کیونکہ یہ جنگل ابھی تک ناپا نہیں گیا تھا۔ میں اپنے عملے کے دیگر ساتھیوں کے ساتھ ٹٹو د گھوڑے، پر ان پر خطر جنگلوں کو پار کرتا ہوا بالکل دوسرے کنارے پر پہنچا۔ میرا راستہ سات دن میں ختم ہوا تھا۔ دوری کا اندازہ اس طرح لگایا جا سکتا ہے کہ ہم لوگ ایک دن میں کم سے کم تیس۳۰ میل ضرور چل لیتے۔ بہرحال ایک وادی میں کیمپ لگا دیا گیا۔ اور ہم لوگ اپنے اپنے کاموں میں مشغول ہو گئے۔ اور ہم کو یہ یہ بھی خیال نہ رہا کہ اس مہینے میں انسانیت کے علمبردار اور اہنسا کے موجد حسینؑ کی یاد منائی جاتی ہے۔ ہم لوگوں کا روزانہ کا کام یہ ہوتا تھا کہ آٹھ بجے صبح تک کھانا وغیرہ کھا کر نکل پڑتے تھے۔ اور تین بجے تک درختوں میں نشان وغیرہ لگا کر واپس آجاتے تھے۔ پانچ دن اسی طرح گزرے اور ہم لوگوں نے کم از کم پچاس میل رقبے کا جنگل سروے کر ڈالا۔ لیکن اس جنگل میں کسی آدمی سے ملاقات نہ ہوئی۔ سوائے خونخوار جانوروں خطرناک سانپوں کے۔ ساتویں دن صبح میں منہ ہاتھ دھو کر پیمائش کرنے کی تیاری میں مشغول تھا کہ عجیب و غریب آوازیں اور شور سنائی دیا۔ پھوبچہ پہاڑی علاقے میں آواز بہت دور تک گونجتی ہے۔ مجھکو شبہ ہوا کہ شاید عاشورہ کا دن اور یہ آواز ماتم کی تو نہیں آرہی ہے۔ لیکن پھر خیال آیا کہ سنسان جنگل میں جہاں کہ آدمیوں کی صورت دیکھنے کو نہیں ملتی ماتم کون کرے گا۔

بہرحال جلدی جلدی تھوڑا بہت کام کیا اور اسی آواز کی طرف چل پڑے خیال یہ تھا کہ ادھر پیمائش بھی ختم کروں گا اور اس شور کا پتہ بھی لگ جائے گا ہم لوگ برابر چلتے رہے اور شور صاف سنائی دیتا رہا۔ یہاں تک کہ ہم ایسی پہاڑی کے قریب پہنچے جو کہ کافی اونچی نہ تھی۔ اس کو پار کرنے کے بعد ایک میدان نظر آیا۔ جہاں قریب قریب پانچ سو آدمی جنگلی (تھاندو قبیلے والے) مصروف گریہ و ماتم تھے۔ اور ان کے ہاتھوں میں چھوٹے

چھوٹے علم بھی تھے جو کہ لکھنؤ وغیرہ کے علموں سے مختلف تھے اور ان جنگلی آدمیوں میں سے کچھ کے ہاتھوں میں لوہے کی مضبوط قرولی (چھری) تھیں جو کسی خاص موقع کے انتظار میں تھے۔ قریب دو بجے کا وقت تھا ہم لوگ دور ہی سے ان لوگوں کی حرکت کا مشاہدہ کر رہے تھے کہ ماتم اور زوروں سے ہونے لگا اور حسینؑ حسینؑ۔ عباسؑ عباسؑ کی صدائیں تیزی سے بلند ہونے لگیں۔ لفظ حسینؑ اور عباسؑ کے ساتھ کچھ الفاظ اور بھی کہہ رہے تھے۔ تھوڑی دیر بعد کچھ لوگ آگے بڑھے اور ہاتھ میں قرولی (چھری) لئے ہوئے بقیہ لوگ پیچھے سے برابر ماتم کر رہے تھے اور یکبارگی سب کے سب زور سے ماتم کرنے کے بعد اسی قرولی (چھری) سے سر پر مارنے لگے۔ اس طرح ان لوگوں پر ایک وجدانی کیفیت طاری ہو گئی یہانتک کہ زخموں سے چور چور ہو کر بیہوشی کی حالت میں زمین پر گرنے لگے۔ اور قریب قریب سو آدمی اسی طرح خون میں ڈوب کر بے ہوش ہو کر گر پڑے بقیہ ماتم کرتے ہوئے اپنی آبادی کی طرف چلے گئے۔ اور یہ لوگ اسی طرح پڑے رہے۔ اور ان کے جسموں سے خون بہتا رہا۔ اب ہم لوگ پریشان تھے کہ کیا کیا جائے ان کی آبادی تک جائیں یا واپس اپنے کیمپ میں چلے جائیں ہمارے ساتھی واپس کیمپ آنے پر تیار تھے لیکن میں ان زخمی آدمیوں کے انجام کو دیکھنا چاہتا تھا۔

بڑی دیر بحث کے بعد طے پایا کہ تھوڑی دیر رک کر پھر واپس خیمہ پر چلا جائیگا ابھی مشکل سے دس منٹ بھی نہ گزرے ہوں گے گھوڑوں کی ٹاپوں کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔ گھبرا کر دیکھا تو چند سوار دکھائی دیئے جن کے چہرے اتنے نورانی اور درخشاں تھے کہ نظر ڈالنا محال تھا۔ وہ سوار قریب اُن لوگوں کے آئے اور ان میں سے تین سوار زمین پر اُترے اور ہر شخص کے قریب سے کچھ کہتے ہوئے گزرے اور بقیہ سواروں کے پاس پہنچے۔ ابھی اچھی طرح مڑ کے بھی نہ تھے کہ سب کے سب یکبارگی اُٹھ کھڑے ہوئے اور اُن سواروں کے سامنے تعظیم سے جھک گئے میں حیران و ششدر رہ گیا کہ میں یہ کیا دیکھ رہا ہوں۔ اور جیسے میں نے چاہا کہ قدم اٹھا کر آگے

بڑھوں کہ وہ گھوڑے سوار روانہ ہو کر نظروں سے غائب ہو گئے۔ اور وہ لوگ جو بیہوش ہو کر نظروں سے غائب ہو گئے۔ اب تو مجھ سے نہ رہا گیا اور میں بڑھ کر ان کے پاس پہنچ گیا۔ ان سے دریافت کیا کہ یہ سب کیا دیکھ رہا ہوں۔ اشاروں سے بات چیت ہوئی۔ ان لوگوں نے بظاہر کہا کہ آج کے دن ایک بہت بڑے مہاتما کا سوگ منایا جا رہا تھا اور یہ بھی معلوم ہوا کہ آج سارا دن یہ لوگ کچھ کھاتے پیتے نہیں ہیں۔ اور قرولی کے اس ماتم سے آج تک ان کا کوئی آدمی مرا بھی نہیں ہے ان کے مرد اور عورتیں سب کے سب قرولیوں (چھریوں) سے سر پر ضرب مار کر ماتم کرتے ہوئے بے ہوش ہو جاتے ہیں اور ان کے وہی مہاتما آ کر ہر سال ہوش میں لاتے ہیں۔ اسی دن سے ہمارے تمام ساتھی بھی اس عظیم ہستی کا غم منانے لگے جس نے انسانیت کے نام پر ایک بڑی جنگ جیتی ہے اور اس واقعہ کے بعد سے میں قریب قریب اسلام کا پیرو کار ہو کر حسینی بن گیا ہوں اور ہر شخص کو حسینؑ کا پیغام امن صلح اور حق کے لئے جینا اور حق کے لئے مرنے کی تعلیم دیتا ہوں (بحوالہ نظامی جنتری ۱۹۵۲ء صفحہ نمبر ۱۰ اور ماہنامہ سحاب محرم نمبر)

معجزہ ۳۰

حضرت عباسؑ کے علم کا پٹکا بیمار کے جسم سے لگا اور وہ ہوش میں آ گیا

جاتی ہے اگر جان تو بیشک چلی جائے
عباسؑ کے ہر جسم پہ مگر آنچ نہ آئے

۹ اکتوبر ۱۹۸۰ء کو مولانا شیخ علی حسین صاحب (مبارک پوری، دیو پی انڈیا) مورشیس (افریقہ) تشریف لے گئے اور پہلی محرم سے لے کر ۱۰ محرم الحرام تک خوجہ امام

بارگاہ موریشس میں مجالس سید الشہداء علیہ السلام سے پُر درد اور پُر اثر انداز میں خطاب فرمایا دس محرم الحرام کی آخری مجلس کے بعد ایک معجزہ ظہور پذیر ہوا جس نے موریشس افریقہ کے مومنین کے سروں کو اونچا کر دیا۔ واقعہ یہ ہے کہ ایک مسلمان یوسف نامی نوجوان لڑکا چار برس سے بیمار تھا اس کو دل کے دورے پڑتے تھے جسکی وجہ سے بے ہوش ہو جاتا تھا ڈاکٹروں کی تجویز تھی کہ یہ دورے مرگی کے نہیں ہیں بلکہ اس نوجوان کو کچھ اور بیماری نے گھیرا ہوا ہے جو سمجھ میں نہیں آرہی ہے۔ غرض یہ کہ علاج بسیار کے بعد بھی جب مرض میں کمی نہیں ہوئی تو یوسف صاحب اپنے لڑکے کو لے کر لندن چلے گئے۔ یہاں اسپیشلسٹ ڈاکٹروں سے رجوع کیا۔ مگر مریض کو کچھ فائدہ نہ ہوا۔ تمام ڈاکٹروں نے لاعلاج مرض کہہ کر جواب دے دیا۔ اب یوسف بھائی مایوسی کے عالم میں اس کو ماتم حلقہ میں علم حضرت عباسؑ علمدار کے پاس کھڑا کر دیا۔ اور خوب رو رو کر تعزیہ کے پاس جاکر بارگاہ سید الشہداء میں اس کی بیماری کی دعا کرنے لگے۔ اور نذر مانی کہ میرا بچہ ٹھیک ہو جائے گا تو میں حضرت عباسؑ کی نذر کروں گا۔ باپ اپنے بیٹے کے ساتھ اب روزانہ مجلس میں شریک ہونے لگا دو دن تک تو کچھ نہیں ہوا بلکہ جب بھی علم کا پٹکا دوران ماتم اس بیمار لڑکے کے جسم سے چھو جاتا تھا تو یہ ہوش میں آجاتا تھا تیسری رات یعنی شب عاشور مجلس کے بعد ایک چھوٹا علم تعزیہ کا جلوس برآمد ہونے والا تھا بچہ کو باپ لئے ہوئے امام بارگاہ میں بیٹھا تھا کہ اچانک اس بے ہوش لڑکے کے منہ سے نکلا "اب میں کبھی نہیں آؤں گا مجھے علم سے ڈر لگتا ہے۔ آج میں چلا جاؤں گا" نماز مغربین کے بعد مجلس ہوئی پھر جلوس برآمد ہوا۔ سربراہ خوجہ جماعت حیدر علی بھائی نے مریض کو ماتمی حلقہ میں کھڑا کر کے علم اس کے پہلو سے ملا دیا۔ اب مولا عباسؑ کا اعجاز دیکھیے مریض کے بدن میں جھرجھری آئی آنکھ کھولی اور علم کو ہاتھ سے پکڑ لیا اور پھر یا علیؑ یا حسینؑ یا عباسؑ کہتے ہوئے ماتم شروع کر دیا۔ مجمع حیرت سے یہ منظر دیکھ رہا تھا۔ بس اب کیا تھا بیمار کو باب الحوائج سے شفا مل گئی۔ ایمان والوں کے جذبات ابل پڑے اور جوش و ولولہ میں درود اور نعرۂ حیدری سے امام بارگاہ گونج گئی جلوس علم نکلا۔

سلیمان نے ایک ہاتھ میں علم اور دوسرے ہاتھ سے یا عباسؑ یا حسینؑ
کا ماتم کرتے ہوئے جلوس کے ساتھ ساتھ نکلا اور پورے گشت میں یہ ماتم کرتا
ہوا تعزیہ کے ساتھ امام بارگاہ میں واپس آیا۔ اور پھر مجلس کے بعد جب
زنجیروں سے ماتم ہوا تو سلیمان نے بھی تین مرتبہ زنجیر سے ماتم کیا۔ یہ زنجیر کو
چھوڑتا نہیں تھا۔ لوگ زبردستی اس سے زنجیر چھینتے تھے۔ عاشورہ کے دن
باپ بیٹے دونوں نے اعمالِ عاشورہ کیا۔ شام غریباں کی مجلس میں بھی ماتم کیا
اور پھر گیارہ محرم کو سلیمان نے مولانا شیخ علی حسین مبارک پوری کے ہاتھوں مذہب
شیعہ اختیار کر لیا۔ مولانا صاحب نے مذہب حقہ کی تعلیم دی۔ یوسف بھائی
نے بیٹے کے تندرست ہونے پر منت کے طور پر ذوالجناح علم امام بارگاہ میں نذر کئے
بیٹے کے شیعہ ہونے پر یوسف بھائی نے کوئی اعتراض نہیں کیا۔ اب باپ
اور بیٹے کا معمول ہو گیا تھا مجلس عزا میں ماتم کرنا اور شریک ہونا۔
(بحوالہ سرفراز لکھنؤ۔ شیعہ لاہور صفحہ ۹ شمارہ یکم مارچ ۱۹۸۱ء)

معجزہ ۱۳۱

معجزہ پہ معجزہ

اُن کا تذکرہ بھی ضروری ہے۔

امیر لشکر حسین علیہ السلام کے معجزات اور کرامات کو یکجا کر رہا تھا کہ روزنامہ
اخبارِ جنگ میں مشہور صحافی اور عاملِ روحانی عالی جناب سردار علی صابری صاحب
کا مضمون مورخہ ۱۴ جنوری ۱۹۸۳ء جمعہ ایڈیشن

فیاضی کی روشن مثال:-

میں شائع ہوا مضمون کیا ہے۔ فضائل آلِ محمد
علیہ السلام کا ایک ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر ہے۔ بہت پسند آیا۔ دل نے کہا کہ
اس کو بھی اس کتاب کی زینت دے دو۔ کیونکہ اس دور میں برادر اہل سنت
کی جانب سے ایسا مضمون لکھ دیا جائے تو یہ معجزہ سے کیا کم ہے۔ صابری

صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ فرزند رسول سیدنا حضرت امام حسین علیہ السلام مدینہ منورہ میں کہیں جا رہے تھے۔ دوپہر کا وقت تیز دھوپ راہ میں ایک خوشنما اور شاداب باغ نظر آیا۔ آپ استراحت کے خیال سے اندر تشریف لے گئے۔ دیکھا کہ ایک قوی ہیکل حبشی غلام کام کاج سے فارغ ہو کر گھنے درخت کے سائے میں پیٹ کی آگ بجھانے بیٹھا ہے ہاتھ میں جو کی ایک سوکھی روٹی ہے اور سامنے ایک کتا۔

حبشی نے روٹی کا ایک ٹکڑا توڑ کر منہ میں رکھا بھوکے کتے نے اس کی طرف للچائی ہوئی نظروں سے دیکھا حبشی نے دوسرا ٹکڑا کتے کے سامنے ڈال دیا غرض یہی سلسلہ جاری رہا حبشی غلام ایک ٹکڑا خود کھاتا تھا اور دوسرے ٹکڑے سے اپنے ناخواندہ مہمان کی تواضع کرتا۔ حضرت امام حسن علیہ السلام کو یہ واقعہ دیکھ کر حیرت ہوئی۔ جو کی ایک سوکھی روٹی تنومند حبشی غلام ہی کی شکم سیری کے لئے ناکافی تھی لیکن وہ بھی اس نے تنہا نہ کھائی اور ایک کتے کو سہیم و شریک بنا لیا سیدنا امام حسن علیہ السلام نے آگے بڑھ کر حبشی سے پوچھا تم صبح سے دوپہر تک باغ میں شدید محنت کے بعد خود کیوں بھوکے رہے اور جو کی ایک روٹی میں کتے کو کیوں شریک کر لیا۔ حبشی نے جواب دیا۔

یہ ایک روٹی یقیناً میرے لئے ناکافی تھی لیکن جب میں کھانے بیٹھا اور کتے نے میری طرف للچائی ہوئی نظروں سے دیکھا تو میرا دل کڑھا اور میری غیرت گوارا نہ کر سکی کہ میں خود تو کھاؤں اور یہ بے زبان بھوکا رہے۔"

سیدنا امام حسن علیہ السلام نے پوچھا۔

تمہارے مالک کا نام کیا ہے اور وہ کہاں رہتا ہے؟ حبشی نے اپنے مالک کا نام و نشان بتا دیا حضرت امام حسین علیہ السلام نے فرمایا۔ میں ایک ضروری کام سے جا رہا ہوں۔ تم میرا انتظار کرو۔ اور جب تک واپس نہ آؤں کہیں جانا نہیں

حبشی نے انتظار کا وعدہ کیا اور حضرت امام حسن علیہ السلام اس باغ کے مالک کے ہاں تشریف لے گئے جو مدینہ منورہ کا ایک معزز شہری تھا۔ اس نے فرزندِ رسولؐ کی تشریف آوری کو باعث فخر و مباہات سمجھا۔ اور عقیدت و مہمان نوازی کے تقاضے پورے کئے۔ تھوڑی دیر گفتگو کے بعد حضرت امام حسن علیہ السلام نے پوچھا کہ شہر کے باہر مشرقی گوشے میں جو ایک بڑا سا خوشنما باغ ہے وہ آپ ہی کی ملکیت ہے۔ مالک نے عرض کیا جی ہاں" حضرت امام حسن علیہ السلام نے پوچھا اور وہ حبشی غلام جو باغ کی نگہداشت و سیرابی کے لئے متعین ہے کیا آپ ہی کا غلام ہے؟ مالک نے اس بات کا جواب بھی اثبات میں دیا۔

حضرت امام حسن علیہ السلام نے فرمایا باغ اور غلام دونوں کو خریدنا چاہتا ہوں۔ خریداری کی ضرورت شدید ہے جو قیمت طلب کیجئے ادا کر دوں گا۔ فرزندِ رسولؐ کے حکم کو کون ٹال سکتا تھا اور پھر خریدار بھی وہ جو منہ مانگی قیمت ادا کرنے کو تیار تھا اور جس کی فیاضی سیر چشمی کی داستانیں بچے بچے کی زبان پر تھیں۔ سودا کیوں طے نہ ہوتا۔ مالک کو وہ قیمت مل گئی جو اس کی توقع سے کہیں زیادہ تھی اور حضرت امام حسن علیہ السلام نے باغ اور غلام دونوں کو خرید لیا۔ اس کے بعد سیدنا حضرت امام حسن علیہ السلام دوبارہ باغ تشریف لائے۔ غلام اپنے کام میں مصروف تھا۔ آپ نے حبشی غلام کو آواز دی وہ قریب آیا تو آپ نے فرمایا۔

"میں تمہارے مالک کے ہاں گیا تھا وہیں سے واپس آ رہا ہوں میں نے تمہیں بھی خرید لیا اور اس باغ کو بھی"

حبشی غلام نے اپنے آقا کو ادب سے سلام کیا اور اپنی وفاداری اور خدمت گزاری کا یقین دلاتے ہوئے عرض کیا" میں اپنے نئے آقا کا نام

معلوم کر سکتا ہوں؟۔

حضرت امامؑ نے فرمایا میرا نام حسنؑ ابن علیؑ ہے حبشی غلام نے حضرت امام پاک کا نام کیا سُنا کہ دل کی کلی کھل گئی محبوب خدا کے نواسے اور لختِ دل رسولؐ کے لخت جگر کی خدمت گزاری سے بڑھ کر دین اور دنیا میں کیا شرف ہو سکتا ہے۔ حبشی نے ادب و عقیدت سے دامن عبا کو چوم کر عرض کیا یا فرزندِ رسولؐ آپ کی خدمت گزاری کو میں دنیا میں سرخروئی اور آخرت میں نجات کا ذریعہ بناؤں گا۔ حضرت امامؑ پاک نے فرمایا تمہارے پاس شکم سیری کے لئے جو کی صرف ایک روٹی تھی اس میں بھی تم نے ایک بے زبان کو شریک کر لیا۔ اور خود بھوکے رہے۔ میں تمہاری اس خدا ترسی اور رحمدلی سے بہت متاثر ہوا ہوں۔ اور تم کو اللہ کی راہ میں آزاد کر کے یہ باغ تمہیں بطور انعام دے رہا ہوں۔

ایک غریب حبشی غلام۔ برسوں کی غلامی کے بعد آزادی کا مژدہ اور ایک عالی شان قیمتی باغ کی ملکیت! جتنی خوشی بھی ہو کم تھی لیکن اسلام کے چشمۂ فیض سے تشنگی بجھانے والے ایک غریب حبشی کی سیرچشمی ملاحظہ ہو کہ وہ حضرت امام حسنؑ کے قدموں پہ گر کر عرض کرتا ہے۔

یا ابن رسول اللہ جس اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے میری غلامی کی زنجیروں کو قطع کیا ہے اور جس اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لئے آپ نے مجھے آزادی کی نعمت اور اس قیمتی باغ کی ملکیت عطا فرمائی ہے اسی اللہ تعالیٰ کی راہ میں اظہار شکر کے طور پر میں اس باغ کو غریب اور مسکین مسلمانوں کی امداد کے لئے وقف کرتا ہوں"۔ ہ

حب عشق سکھاتا ہے آدابِ خود آگاہی
کھلتے ہیں غلاموں پر اسرارِ شہنشاہی

یہ تھا عباسؑ غازی کے بڑے بھائی حسن مجتبےؑ کا کارنامہ جو انسانی دسترس سے باہر ہے یہی وجہ ہے کہ ہم آل محمدؐ کے گھرانے کی ہر عطا اور بخشش کو معجزہ اور کرامات سمجھ لیتے ہیں جبکہ یہ انسانوں کو اس کی عظمت کا درس دیتے ہیں۔

معجزہ ۳۲

بڑے امام باڑے کھارادر میں منبر رسوُل کے پاس نصب علم حضرت عباس علیہ السلام سے پانی کی بوندیں ٹپکتی رہیں

۱۹۸۱ء صفر کے مہینہ میں رات کی مجلس کے بعد حاضرین نے دیکھا کہ منبر رسوُل کے اوپر جو علم حضرت عباس علمدار علیہ السلام کے نام نامی اسم گرامی سے منسوب ہے اس کے پنجہ پر پانی کی بوندیں نمودار ہیں اور وہ آپس میں مل جاتی ہیں پھر پنجہ سے نیچے چاندی کی لٹکی ہوئی مشک پر آجاتی ہیں اور وہاں سے پھر یہ منبر کے بالائی حصے پر ٹپک جاتی ہیں۔ پانی کی بوندوں کو دیکھنا تھا کہ سقائے سکینہؑ کی عاشور والے دن کی بیکسی یاد کر کے لوگوں نے ماتم شروع کر دیا۔ اس معجزے کی اطلاع فوراً شہر کراچی میں ہوا کی طرح پھیل گئی۔ پھر کیا تھا۔ ہزارہا آدمیوں کا سمندر امڈ آیا یہ سلسلہ تقریباً ایک مہینے سے زیادہ رہا۔ لوگ اس پانی کو جمع کر کے اپنے بیماروں کے لئے لے گئے اور مولا عباسؑ نے انکو شفا دی۔

معجزہ ۳۳

مہاراجہ گوالیار کی سواری

زیر سائے علم حضرت عباس علیہ السلام۔

سنہ ۱۹۰۵ء میں شہنشاہ جارج پنجم جبکہ وہ پرنس آف ویلز تھے ہندوستان آئے تھے۔ ان کے ساتھ ایک صحافی مسمّی SIDNEY LOW بھی تھا۔ اس نے ایک کتاب A VISION OF INDIA لکھی تھی اور اس کا دوسرا ایڈیشن سنہ ۱۹۰۷ء میں لندن سے شائع ہوا تھا۔ اس کتاب میں اس نے ایک تصویر دی ہے۔ جو کہ ہندوستان کی ریاست گوالیار کے مہاراجہ سندھیا کے ہاتھی کی ہے۔ ہاتھی کے ہودہ پر دونوں طرف اور پشت پر علم حضرت عباس علیہ السلام کے پنجے نصب ہیں۔ تاکہ مہاراجہ سندھیا علم کے سایہ میں عافیت سے رہے (یہ معجزہ نہیں تو اور کیا ہے)۔ سید مختار رضوی صاحب (شاہ گنج آگرہ) حال مقیم بہار کالونی جمشید روڈ کے پاس اصل کتاب موجود ہے۔ تصویر آگے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیے۔

-:-

مہاراجہ سندھیا
آف
گوالیار
کی
سواری
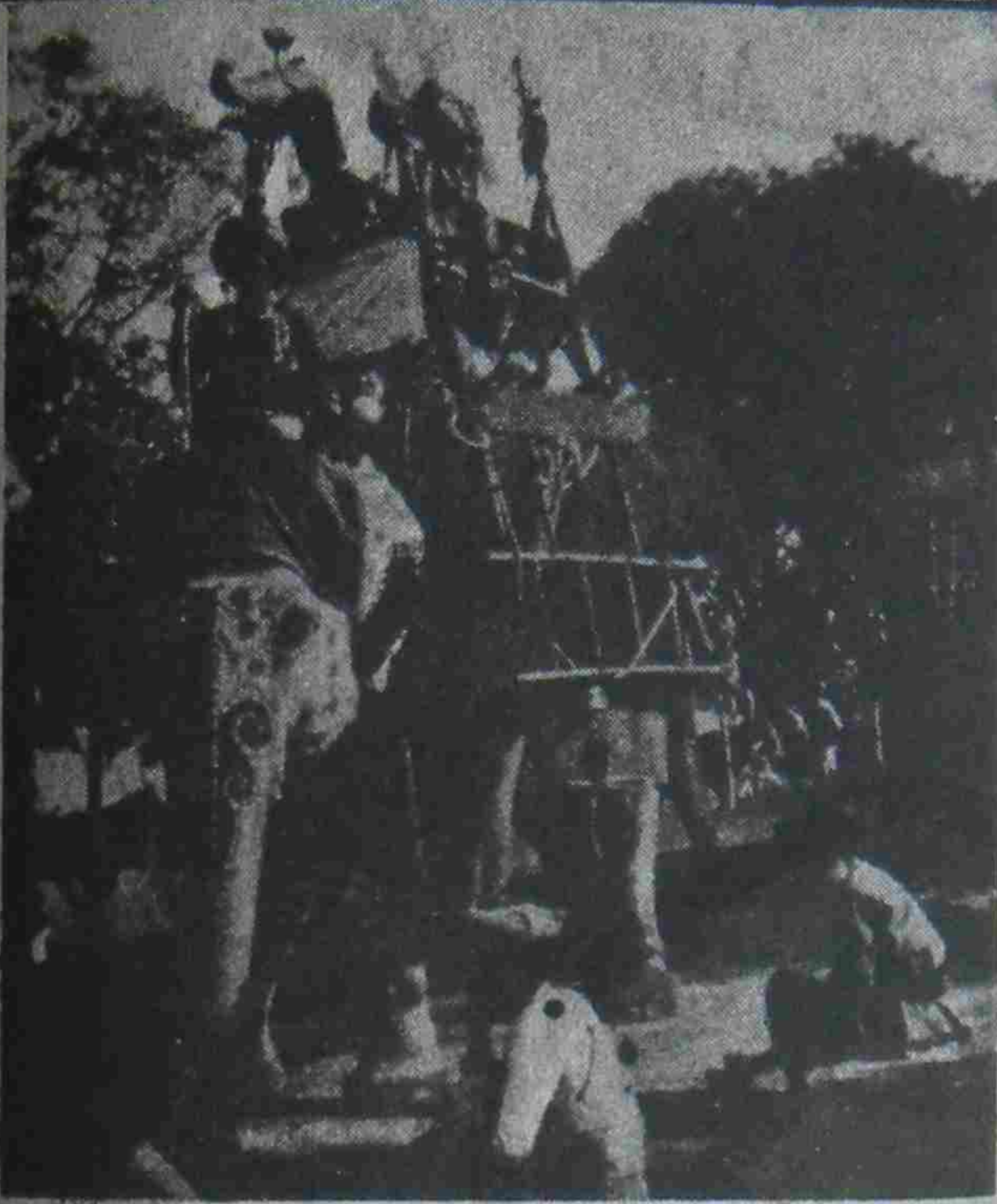
ONE OF SCINDIA'S ELEPHANTS.

اور
علم حضرت
عباس علیہ السلام
ہاتھی کے
ہودے پر
نصب ہے

THE MAHARAJA'S PALANQUIN.

معجزہ ۳۴

حضرت علیؑ کے ہاتھوں ایک ہندی زائر کی مشکل کشائی

دوران مطالعہ میری نظر سے کتاب "مشاہدات بلاد اسلامیہ" از محترمہ محمودہ عثمان حیدر شائع کردہ علمی مجلسی گرانٹ روڈ کراچی میں جناب امیر علیہ السلام کی ایک مشکل کشائی کا تذکرہ تھا۔ دل نے کہا کہ بیٹے کی معجزہ نمائی میں اس مشکل کشاؑ کا تذکرہ کرتے چلو۔ تاکہ یادگار رہ جائے۔

اصلی مضمون جناب محترمہ محمودہ عثمان حیدر کی زبانی سنیئے۔

نجف اشرف کے سلسلہ میں اس خواب کا ذکر غالباً دلچسپی سے خالی نہ ہوگا جو میرے شوہر سید عثمان حیدر صاحب نے ایک شب بغداد میں دیکھا تھا۔ واقعہ یہ تھا کہ سید عثمان حیدر صاحب برطانوی سفارتخانہ بغداد میں ملازم تھے۔ اور اُن کے فرائض میں ہفتے میں ایک بار عراق کی تمام قابل ذکر زیارت گاہوں کی حاضری شامل تھی تاکہ وہاں آئے ہوئے ہندوستانی زائروں کے پاسپورٹ کی جانچ پڑتال کرکے انھیں بتایا جائے کہ اُن کی میعاد قیام ختم ہوچکی ہے اور اب انھیں سرزمین عراق سے رخصت ہوجانا چاہیئے نیز اگر کسی زائر کے پاس زاد راہ ختم ہوگیا تو اس کے لئے روپیہ پیسہ کا انتظام کرنا

اور اگر کسی اور مشکل سے دوچار ہے تو اس کی حتی الامکان بروقت مدد کی جائے
سید عثمان صاحب کا ہمیشہ سے یہ دستور تھا کہ جب بھی وہ نجف اشرف
یا کوفہ جاتے تو پہلے کربلائے معلّٰی میں حضرت امام حسین علیہ السلام کے جسم اطہر
کے مقبرہ مبارک پر حاضری دیتے اور بعد ازاں آگے سفر اختیار کرتے۔
ایک بار قضا ئے جب وہ اپنے ایک اسسٹنٹ کے ہمراہ کربلا تک ہی پہنچے
تھے کہ انھیں سخت انفلوئنزا ہو گیا وہ وہاں سلام و فاتحہ کے بعد آگے
جانے کا قصد کر ہی رہے تھے کہ ان کے اسسٹنٹ نے اُن کی ناسازئ
طبع دیکھ کر مشورہ دیا کہ وہ واپس جا کر بغداد میں آرام کریں اور وہ خود دوسری
زیارت گاہوں پر ہو آئے گا۔

اسی شب پچھلے پہر عثمان صاحب نے خواب میں دیکھا کہ ایک لق و دق
میدان ہے جس میں چھوٹی چھوٹی گھاس اُگی ہوئی ہے۔ اور اس میں ایک طرف
ٹیا بنی ہوئی ہے جس کے کنارے ایک بڑے پتھر پر وہ خود بیٹھے ہوئے ہیں
اتنے میں کیا دیکھتے ہیں کہ سامنے سے ایک دوہرے جسم کے بزرگ جسم پر
فاختئی رنگ کی عبا جس پر چھوٹی چھوٹی سفید بُنکیاں پڑی ہوئی ہیں، سر پر
سفید عمامہ اور ہاتھ میں ایک موٹا سا عصا ہے۔ انتہائی متانت اور وقار کے
ساتھ تشریف لا رہے ہیں۔

اُن بزرگ کو اول تو یہ اپنی جگہ بیٹھے دیکھتے رہے پھر معاً انھیں خیال آیا
کہ یہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ ہیں۔ چنانچہ کھڑے ہو کر مؤدبانہ آداب بجالائے
لیکن کوئی جواب نہیں ملا۔ بلکہ حضرت علیؑ نے انھیں دیکھ کر آہستگی سے دوسری
جانب منھ پھیر لیا۔

عثمان صاحب کو خیال ہوا کہ شاید امیرالمومنینؑ نے مجھے دیکھا نہیں
چنانچہ ان کے پیچھے پیچھے گئے اور قریب جا کر پھر سلام عرض کیا، لیکن اس بار

بھی جواب سے محروم رہے۔ اب تو انھیں بڑی فکر دامن گیر ہوئی۔ ایک بار ہمت کر کے پھر کچھ قدم ان کے پیچھے پیچھے گئے اور عرض کیا:۔

"حضور! اس خانہ زادے سے کوئی کوتاہی ہو گئی ہے جو آپ ناراض ہیں۔ آپ میرے سلام کا جواب تک دینا گوارا نہیں فرماتے حالانکہ میں تو آپ کی اولاد میں سے ہوں"۔

حضرت علیؑ نے فرمایا۔

جو تم کہتے ہو وہ درست ہے لیکن تمہارے فرائض میں نجف اور کوفہ کی حاضری شامل نہ تھی؟ کل تم کربلا تک آئے اور وہیں سے واپس لوٹ گئے۔ کیا یہ طرزِ عمل درست تھا؟

یہ سننا تھا کہ عثمان صاحب کی آنکھ کھل گئی۔ انھوں نے فوراً برطانوی سفارت خانہ کو ٹیلی فون کر کے ڈیوٹی افسر سے پانچ بجے اپنے بنگلے پر کار منگوائی۔

غرض یہ کہ ٹھیک پانچ بجے کار آ گئی۔ اور وہ تنہا ہی کار میں روانہ ہو گئے۔ عراقی ڈرائیور سے انھوں نے فوراً نجف اشرف چلنے کے لیے کہا وہ ان کی عادت سے واقف تھا۔ کہ یہ سب سے پہلے سلام و فاتحہ کے لئے کربلا جاتے ہیں۔ چنانچہ اس نے انھیں بڑی معنیٰ خیز نگاہوں سے دیکھا۔ لیکن بولا کچھ نہیں۔

قصہ مختصر، نجف اشرف میں روضہ اقدس جناب امیرالمومنینؑ پر پہنچے۔ چاہتے تھے کہ سلام کی غرض سے اندر جائیں کہ دور سے ایک واقف کار متولّی نے دیکھ کر آواز دی۔ انھوں نے اشارے سے کہا کہ پہلے حاضری دے آؤں لیکن اس نے بالاصرار اپنے پاس بلایا۔ ناچار اس کے پاس گئے تو وہ بولا کہ آپ نے غضب کیا کہ کل

تشریف نہیں لائے۔ کل ایک ہندی زائر کو ویزا کی میعاد ختم ہو جانے کے بعد عراق میں قیام کرنے کے جرم میں پولیس پکڑ دھکڑ کر لے گئی۔ اور وہ شریف آدمی کل سے حوالات میں بند ہے۔ اگر آپ کل آجاتے تو وہ اس مصیبت اور ذلت و رسوائی سے بچ جاتا۔

عثمان صاحب نے کہا کل میرا نائب آیا تھا تم نے اس سے کیوں نہ کہا۔ وہ سب معاملہ ٹھیک کر لیتا۔

متولی نے کہا کہ افسر مجاز تو آپ تھے اس کا اس بات سے کیا تعلق؟ اگر آپ ایک ماہ تک نہ آتے تو پولیس اُسے ایک ماہ تک نہ چھوڑتی۔

عثمان صاحب نے متولی کو اپنا خواب سُنایا تو وہ کچھ دیر تو خاموش رہا پھر بولا کہ آپ اندر جائیے۔ سلام و فاتحہ کے بعد مولائے کائنات سے اپنی تقصیر کی معافی چاہیے۔ اُن کی بڑی سرکار ہے۔ امید ہے کہ معافی مل جائے گی۔

چنانچہ یہ سلام و فاتحہ کی غرض سے اندر گئے۔ اور انھوں نے اپنی کوتاہی کی معافی چاہی۔ اس کے بعد تھانہ گئے متعلقہ افسران سے ملے۔ بہت سے فارموں پر دستخط کیے۔ طعام و قیام کے اخراجات ادا کر کے رسید لی اور بعد ازاں ہندی زائر کو جو پردیس میں اس ناگہانی افتاد سے کافی ہراساں تھے رہا کرا کے اپنے ساتھ گھر لائے

ان ہندی زائر سے بھی میرا تعارف کرایا گیا۔ روانگی سے قبل تک وہ ہمارے ہاں بطور مہمان مقیم رہے۔ غالباً امروہہ کے سادات میں سے تھے۔ نام یاد نہیں رہا۔ نیک اور شریف آدمی تھے۔ اثنائے گفتگو عثمان صاحب نے اُن سے خواب کا ذکر کیا اور یہ بھی بتایا کہ اگر خواب

میں اشارہ نہ ہوا ہوتا تو وہ اگلے ہفتے نجف اشرف جاتے اور تب ہی زندانِ بلا سے اُن کی رہائی عمل میں آتی۔

ہندی زائر مولا مشکل کشاؑ کی مشکل کشائی پر بطور اظہار تشکر رو دیئے۔ اور دیر تک ہچکیاں لے لے کر روتے رہے۔ ہم لوگ بھی ان کی یہ حالت دیکھ کر متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔

(سید رضا رضوی کا شکریہ کے ساتھ)۔

حضرت عباسؑ کی حاضری کی منت سے ٹھیک ہونیوالا گونگا

(واقعہ صفحہ نمبر ۱۰۹ پر ملاحظہ فرمایئے)

علم مبارک حضرت عباسؑ پر شبیہیں نظر آنے لگیں

کربلا ہے جرأتِ انکار سے تنسیخِ کفر
کربلا ہے اصل میں بنیادِ اسلامی نظام
(انعام درّانی)

بحوالہ کتاب" ہاکس بے پر حسینؑ کا ماتم صفحہ نمبر ۱۴۱ میں ایک معجزہ تحریر ہے جس میں چکوال کے گاؤں رینا سیداں کے سید ولایت شاہ کی حویلی پہ ایک علم بیاد حضرت عباسؑ علمدار نصب ہے۔ انکی بیٹی نسیم فاطمہ جو اپنے گاؤں میں نیک بی بی کے نام سے موسوم تھی۔ اس نے فروری ۱۹۸۱ء میں اعلان کیا کہ ہمارے گھر پہ معجزہ ہونے والا ہے۔ چنانچہ ٹھیک نوروز والے دن مکان کے اوپر نصب علم مبارک کا پنجہ ایک دم سے سرخ ہو گیا اور اس پنجہ پر مختلف شبیہیں نظر آنے لگیں۔ اب کیا تھا یہ خبر سارے گاؤں میں آگ کی طرح پھیل گئی۔ قرب وجوار کے دیہات ملک کے دوسرے علاقے سے لوگ ہزاروں کی تعداد میں آنے لگے علم آج بھی ولایت علی شاہ کی حویلی پر نصب ہے اور وہ لوگ بھی کافی تعداد میں زندہ ہیں جنھوں نے یہ معجزہ اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔

یا صاحب العصر والزمان ادرکنی

امام جعفر صادق علیہ السلام کا ارشاد گرامی

صادقِ آلِ محمد علیہ السلام نے مومنین کرام کے لئے ارشاد فرمایا کہ تم اپنے ورثے میں دو چیزیں چھوڑ دو ایک اولادِ صالح دوسری دینی کتب۔ آلِ محمدؑ کے فضائل اور مناقب سے بھرپور کتابیں جن کو محمد وصی خاں صدر تنظیم عزا رجسٹرڈ نے بڑی محنت اور کوششوں سے تحریر کیا ہے۔ جن کا پڑھنا اور ہر گھر میں رکھنا ضروری ہے۔ ہزاروں سال کی محنت اور ہزاروں کتابوں کا نچوڑ ضرور پڑھیئے۔

(۱) تشکیل پاکستان میں شیعیانِ علیؑ کا حصہ، (۲) تاریخ آلِ محمدؑ (۳) کل پاکستان شیعہ ڈائرکٹری (۴) وارثِ فدک (۵) بیعتِ علیؑ (۶) حضرتِ علیؑ کے فیصلے اور موجودہ تعزیرات اسلامی (۷) عظمت حسینؑ "مقالات سید العلماء" (۸) قندیل "مقالات و مضامین بید فیسر علی رضا شاہ نقوی" (۹) علیؑ علیؑ حصہ اول۔ دوم اور سوم (۱۰) حسینؑ حسینؑ حصہ اول دوم اور سوم (۱۱) حضرت علیؑ میدانِ جنگ میں (۱۲) اولیاء کرام۔ وشعراء عظام آستانہ مولا علیؑ پر (۱۳) بیاضِ تسکین زہراؑ نوحہ جات کی مقبول ترین کتاب چار حصہ (۱۴) بیاض تسکین زینبؑ سوز سلام اور مرثیوں کی تاریخ وار مجالس کی نایاب کتاب (۱۵) شیعہ ڈائریکٹری (کراچی) (۱۶) اقبال بارگاہِ پنجتنؑ پاک میں (۱۷) اخلاق محمدی (۱۸) سوانح عمار یاسرؓ (۱۹) سوانح محمد ابن حنفیہؓ (۲۰) شیعہ اور صحابہ (۲۱) مقبول عام مناجات (۲۲) تحفۃ الذاکرین حصہ دوم۔

کتابیں خرید کر تعلیم آلِ محمدؑ کو عام کیجیئے۔

کتابیں ملنے کا پتہ

ناشر:۔ محفل حیدری ناظم آباد نمبر ۴